عفریت
اکرم الہ آبادی

جاسوسی دائرہ سیریز

عفریت

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

رازداری

خان تارکو پڑھ کر سوچ میں پڑ گیا۔

پچھلے ایک ہفتے سے وہ دفتر کے کاموں کو، جو اس کے ذمے تھے، جلد از جلد ختم کرنے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ اور ان دنوں سارجنٹ بالے بھی اسی وجہ سے مصروف تھا۔ جتنے کیسز اس کے چارج میں تھے، انھیں جلد از جلد نپٹا دینے کی خان نے ہدایت کر دی تھی۔

اس نے دراز سے ایک فائل نکالی اور اسے ہاتھ میں تھامے آفس سے نکل گیا۔ کمشنر کے آفس کا چپراسی اسے دیکھ کر اٹینشن ہو گیا۔

''اندر کون ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''کوئی نہیں، صاحب۔ صاحب اکیلے ہیں۔''

خان اندر داخل ہو گیا۔ کمشنر اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

''آپ کو ٹیلی گرام مل گیا؟'' کمشنر نے کہا۔

''جی ہاں، اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔ اپنے ہاتھ کا تقریباً ہر کام میں نے ختم کر دیا ہے۔ دو چار کیسز ہیں تو وہ انسپکٹر ڈی سوزا کے سپرد کر دیے ہیں۔''

''تو آپ سے شاید یہ آخری ملاقات ہی ہو گی۔''

''جی ہاں۔'' خان نے سر ہلایا۔

''آپ کی رخصت کا اعلان تو بعد میں ہو جائے گا، آپ انسپکٹر ڈی سوزا کو آج ہی چارج دے دیجیے۔ میں نے آپ کی غیر موجودگی میں ان کے ایکٹنگ سپرنٹنڈنٹ مقرر ہونے کے احکام جاری کر دیے ہیں۔''

''وہ میں کر دوں گا، لیکن میں جو صرف یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا اس مشن کے متعلق

Akram Allahabadi

آپ کو بھی کچھ علم نہیں؟'' خان نے سوال کیا۔

''آپ یقین کیجیے، خان صاحب، اگر مجھے علم ہوتا تو میں آپ پر اس قدر بھروسہ ضرور کرتا ہوں کہ اس کی انتہائی رازدارانہ نوعیت کی باوجود میں اس کے متعلق آپ کو بتا دیتا۔'' کمشنر نے کرسی کی پشت سے ٹکتے ہوئے کہا۔

''ویسے تو آپ کو پچھلے ہفتے کے مرکزی وزرتِ دخلہ کے خط سے ہی معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس سلسلے میں آپ کی روانگی صیغۂ راز میں رکھی جائے گی۔'' وہ بولا۔

''میں اس کا انتظام کر چکا ہوں۔'' خان نے کہا۔

''اور کون جا رہا ہے آپ کے ساتھ؟'' کمشنر نے پوچھا۔

''سارجنٹ بالے کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔'' خان نے بتایا۔

''بس ٹھیک ہے۔ آپ کے رخصت پر جانے کے ساتھ اس کی دوسرے علاقے میں پوسٹنگ کے احکامات بھی جاری کر دیے جائیں گے تا کہ آپ دونوں میں ہر ایک کی غیر حاضری علیحدہ علیحدہ سمجھی جائے۔'' کمشنر نے کہا۔

''بہتر ہے۔ تو پھر مجھے اجازت ہے؟'' خان نے رخصت کیلیے اٹینشن ہوتے ہوئے کہا۔

''وش یو گڈ لک۔'' کمشنر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے مسکرا کر اس سے مصافحہ کیا۔

''تھینک یو، سر۔'' خان نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ اور پلٹ کر باہر نکل گیا۔ وہ اس فائل کو کمشنر کی میز پر ہی چھوڑ آیا، مگر تارکا کا غذ اس نے جیب میں رکھ لیا تھا۔

اپنے آفس میں واپس آ کر اس نے اپنی پی کیپ کھونٹی سے اتاری اور ہر شے پر آخری نظر ڈالتا ہوا باہر نکلنے لگا۔ چپراسی کو دیکھ کر اسے کچھ یاد آ گیا۔

''دیکھو، بالے صاحب آئیں تو ان سے کہنا کام ختم کر کے گھر پہنچ جائیں۔''

''اچھا صاحب۔'' چپراسی نے اٹینشن رہ کر کہا۔ اور وہ سیڑھیاں اترتا نیچے چلا گیا۔

Akram Allahabadi

نیچا نسپکٹر ڈی سوزا اپنے آفس میں موجود تھا۔خان کو دیکھ کر وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ آج ہی سے میری جگہ کا چارج سنبھال لیجیے، میں کل سے نہیں آؤں گا۔'' خان نے اسے کہا۔

''سر، کتنے دن کی رخصت لی ہے آپ نے؟'' ڈی سوزا نے پوچھا۔

''کہہ نہیں سکتا، بہر حال جلد ہی آجاؤں گا۔'' خان نے مسکرا کر کہا۔

''ویری ویل، سر۔'' ڈی سوزا نے ادب سے کہا۔خان نے اس سے بھی ہاتھ ملایا اور باہر نکل آیا۔

☆☆☆☆☆☆

''ارے میاں آپ؟ میاں، یہ عید کا چاند کِدر سے نکل آیا آج۔'' شوکت کے منہ چڑھے نوکر شمو نے بالے کو اندر آتے دیکھ کر حیرت سے کہا۔

''ابے چاند نظر آرہا ہوں تجھے۔'' بالے نے اسے گھور کر پوچھا۔

''اللہ توبہ توبہ، میاں خدانخواستہ میرا وہ شائروں والا مطلب تھوڑی ہے، میاں یہ تو کہاوت ہے کہ کوئی بھولے بھٹکے آئے تو جیسے عید کا چاند نکلا۔'' شمو صفائی پیش کرنے لگا۔

''اچھا میں سمجھ گیا، شوکت میاں کہاں ہیں؟''

''میاں، آج انھیں اپنی خاندانیت یاد آگئی ہے۔'' شمو نے آہستہ سے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''یانی وئی، جاگیرداروں کا شوق۔کنکوے اڑانا، پتنگیں لڑانا۔ پیچھے باغ میں پیچ لڑا رہے ہیں۔'' شمو نے بتایا۔

''اور کون ہے؟''

''رحیم چرخیل پکڑے ہوئے ہے اور وہ بھوپال کے ایک مشیر میاں جاگیردار آگئے

ہیں۔انھوں نے ہی بانس پے چڑھایا ہے میاں کو،کہیں تو کاں وہ اور کاں پتنگ۔بس آج کے آج میں پتنگیں، مانجھا، چرخی، ڈوری سب تیار اور پیچ بھی کس کے ہو رہے ہیں۔وہ کوئی نوشاد خاں ارشاد خاں میوزک ڈائرکٹر ہیں،ان سے ٹیلی فون پر پیچ بدے گئے ہیں۔"

"یہ مشیر میاں کون ہیں؟"

"ہیں یہ بھی بھوپال کے ٹکڑے جاگیردار،مگر وئی بس، یانی مرغے کہیں تو پتنگ، پتنگ کہیں تو شکار۔"

"خیر میں دیکھتا ہوں۔"

"میاں، چائے مائے بنواؤں،ابھی تو ٹھہریں گے آپ؟"

"زیادہ دیر تو نہیں، بہر حال بنوالو۔"

شمو چائے تیار کرانے چلا گیا اور باہر اندر جانے کی بجائے دائیں سمت سے باہر ہی باہر سے ہوتا ہوا بغیچے میں جا پہنچا، جہاں دونوں جاگیردار موجود تھے اور اس وقت شوکت ہی پتنگ اڑا رہا تھا۔مشیر میاں پاس کھڑے شاید ہدایتیں دے رہے تھے۔رحیم چرخیل تھامے ہوئے تھا اور دوسرا نوکر فضلو زبردستی کی تعریفیں جھاڑ رہا تھا۔

"واہ واہ میاں سبحان اللہ، کیا کنی کاٹی ہے اپنے بھیڑیے نے،اے ہے سالے دشمن جل کے خاک ہو گئے ہوں گے۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"جلنے دو سالوں کو۔یانی کہ جلنے والے جلا کریں اپنے خُد کے سے۔" شوکت پتنگ پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔

"اررر...بچانا شوکت میاں، وہ چاندتارا سا لاغوطہ لے رہا ہے۔" مشیر میاں نے شوکت کو چونکا دیا اور وہ مدِ مقابل کی پتنگ کے غوطے سے اپنی پتنگ کو بچانے کیلیے اسے جھول دے کر تڑ چھا کھینچنے لگا۔

"ارے واہ میاں واہ،اللہ قسم بس ہاتھ چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔کیا بچایا ہے دشمن کا

وار۔اور میاں مشیر میاں نے بھی کیا موقے (موقع) کی بتائی۔''

''ابے دشمن مشمن کیا لگا ریا ہے۔''شوکت نے اس پر بگڑ کر کہا۔''وہ اپنے دوست ہیں نوشاد صاحب۔''

''اے لو میاں، کھیل کے اور جنگ کے میدان میں تو یہی ہوتا ہے۔یانی دوست ہو کہ سگا چچا، مقابلہ ہے تو دشمن تو ہوا ہی۔''فضلو نے تشریح کی۔

''چل چل رہنے دے، سالے بھوت عقلمند بنے چلے ہیں۔''

''نئیں میاں، آپ کے سامنے میری کیا مجال۔میاں آپ عقلمند تو میں گدھے کا بچہ، آپ فوج تو میں سپاہی، نئیں یانی آپ کمانڈر تو میں سپاہی۔یانی آپ مالک تو میں نوکر۔''

''ابے رحیم، اس سالے کو شام کو مکھن کا ایک ڈبا دے دینا، بھوت زبان چلتی ہے سالے کی۔''شوکت نے عاجز آ کر دوسرے نوکر سے کہا، جو چرخیل پکڑے ہوئے تھا۔

''میاں اللہ قسم، خوشامد کرنے والے پے خدا کی لانت۔میاں میں تو خدا لگتی کہتا ہوں۔یانی آپ پوچھ لو مشیر میاں سے۔میں نے تو دو ہی پتنگ باز دیکھے ہیں، ایک آپ اور ایک مشیر میاں۔''فضلو نے اپنی تائید کرانے کیلیے پولسن کا ایک پیکٹ مشیر میاں پر بھی کھینچ مارا۔

''سچی تو بات ہے، شوکت میاں۔پتنگ بازی میں آپ کا بھی جواب نئیں ہے۔'' مشیر میاں نے اس 'بھی' کے ساتھ اپنی فضیلت کو برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

شوکت اس تعریف سے پھول گیا۔ایک جاگیردار دوسرے جاگیردار کی تعریف جب کرے تو بات سچی ہی ہونی چاہیے۔

''میاں وہ تو میں نے یہ شوق ہی سالا چھوڑ دیا ہے، نئیں تو...''وہ کہنے ہی جا رہا تھا، مگر بالے کی آواز نے اس کی بات کاٹ دی۔

''آج کل یہ آنکھیں لڑانے کا شوق کرنے لگے ہیں۔''

شوکت نے چونک کر پیچھے دیکھا اور بالے کو دیکھ کر ہنس پڑا۔

Akram Allahabadi

''اے لو،تو تم ہو میاں خاں ۔وئی تو مینے کہا کہ اور کون ایسا نو پرمیشن ود آؤٹ پرمیشن آسکتا ہے۔''

مشیر میاں بالے کی طرف تعارف طلب نظروں سے دیکھنے لگے۔

''میاں، یہ اپنے بھوت خاص دوست ہیں بالے بھائی ۔سراغرسانی میں ان کا ڈنکا بجتا ہے۔بھوت باران کے کمشنر نے کہا کہ میری جگا لے لو،مگر یہ کہتے ہیں،نہیں میں تو سارجنٹ رہوں گا۔''شوکت نے مشیر میاں پر اپنے دوستوں کا رعب ڈالنے کیلیے بالے کی گویا بڑی رعبدار تعریف کرنے لگا۔

''بھوت خشی ہوئی جناب آپ سے مل کر۔''مشیر میاں نے جلدی سے مصافحے کیلیے ہاتھ بڑھایا۔

''اور کچھ بولو،میاں،بمبئی میں جناب اسکول ماسٹر کو کہتے ہیں۔''شوکت نے سرگوشی کے لہجے میں مشیر میاں کو سمجھایا،مگر بالے نے سن لیا وہ مسکرا دیا۔

''اے لو تو مجھے کیا مالوم ۔میرے جناب تو مطلب وہ انگریزی کے اسکوائر والا ہوتا ہے۔''مشیر میاں نے گویا وضاحت یا معذرت کی۔

''اور اسکوائر چورا ہے یا چوکور کو کہتے ہیں۔''بالے بول اٹھا اور وہ ہنس پڑے۔ بالے بھی ہنس دیا۔

''خوب خوب،آپ تو بہت زندہ دل آدمی ہیں،یانی کہ دلچسپ۔''مشیر میاں نے تعریف کی۔''اور صاحب،مجھے تو مشیر میاں کہتے ہیں۔بس بھوپال کے چھوٹے موٹے جاگیر داروں میں سمجھ لیجیے۔''

''اے لو،یانی اِتّی انکساری۔بالے بھائی،یہ بھوت بڑے جاگیر دار ہیں اور اپنے بھی رشتے دار ہیں اور نواب صاحب مرحوم کے بھی۔''شوکت نے مشیر میاں کی شخصیت کا بھی رعب جمایا۔

Akram Allahabadi

''چلیے، یک نہ شد دو شُد۔'' بالے ہنس پڑا۔

''یانی کہ کیا؟'' شوکت نے چونک کر پوچھا۔

''یانی دوجا گیر میرے دوست ہو گئے۔'' بالے نے جلدی سے بات پلٹ دی۔

''تو بالے میاں، آپ بھی پتنگ تنگ اڑاتے ہیں؟'' مشیر میاں نے پوچھا۔

''جی، میں صرف پتنگیں کاٹتا ہوں۔'' بالے نے کہا۔

''اے لو، جب اڑاتے نہیں تو کاٹتے کیسے ہیں؟'' مشیر میاں سوچ میں پڑ گئے۔

''ارے ان کی باتوں میں کاں پڑ گئے، یہ تو ایسی ہی دو مائنے (ذو معنی) باتیں کیا کرتے ہیں۔'' شوکت نے بیچ میں بات سنبھالی۔

''میاں، اپنا بھیڑیا۔'' رحیم گھبرا کر چیخ اٹھا۔ شوکت کی توجہ پتنگ کی طرف سے ہٹ گئی تھی اور اس غفلت میں مدِ مقابل نے اپنی پتنگ کو غوطہ دے کر پیچ لے لیا۔

فضلو چیخ اٹھا۔ ''وہ کاٹا۔''

مگر نتیجہ الٹا ہی نکلا۔ کاٹنے کی بجائے شوکت کی پتنگ ہی کٹ گئی۔ اور وہ تیز تیز ڈور گھسیٹنے لگا۔

''میاں، ضرور کوئی بے ایمانی کی ہو گی سالے دشمن نے، نہیں تو اپنا تو مانجھا خالص رامپور کا بنا ہوا تھا۔'' فضلو کا رخ جلدی سے پلٹ گیا۔

''چپ بے، دوسرے کیا سڑا مانجھا استعمال کرتے ہیں۔''

''ہائے میاں، کیسا اچھا بھیڑیا گیا اپنا۔'' رحیم افسوس کرنے لگا۔

''یہ سب بالے بھائی کے طفیل، نہ یہ باتوں میں لگاتے اور نہ اپن ہارتے۔'' شوکت نے سارا الزام بالے کے سر تھوپ دیا۔

''اب اور کیا رہ گیا ہے، کنکوے اڑاؤ۔'' بالے نے منہ بنا کر کہا۔

''میاں، یہ عزت کا معاملہ تھا، اب نوشاد صاحب زندی بھرتانے (طعنے) دیں گے۔''

شوکت نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

''چچ چچ، کیا ناک کٹی ہے۔اب تو تمہیں ڈوب مرنا چاہیے غیرت کے مارے۔''

بالے نے کہا۔

''اے لو، ڈوبو تم خد۔کٹ گئی تو کٹ گئی سالی۔پھر بدلیں گے میچ۔یا نی کبھی سنار کی تو کبھی لُہار کی۔''

''ہاں مُیں تو اور کیا۔کھیل میں تو یہ ہوتا ہی ہے، کبھی کسی کی جیت تو کبھی کسی کی۔ کیوں بالے بھائی۔''مشیر میاں نے بالے سے ہی تصدیق طلب کی۔

''بے شک بے شک۔''بالے نے سر ہلایا۔

''اچھا میاں میں تو اب چلتا ہوں۔''مشیر میاں نے کچھ اکتائے ہوئے سے انداز میں کہا۔

''ارے واہ، اور میچ کیا میں اکیلے بدے تھے۔لو، اب آپ لڑاؤ۔میں ذرا بالے بھائی کی خاطر تواضع کرلوں۔ابے فضلو، مشیر میاں کیلیے نئی پتنگ باندھ۔دیکھ وہ مقابلے والے کتنا اترا رہے ہیں۔''

''ابھی باندھی، میاں۔بس ایک منٹ۔''فضلو نے جلدی سے مستعد ہوگیا۔مشیر میاں شاید خود بھی یہی چاہتے تھے کہ انھیں ہاتھ دکھانے کا موقع ملے، اس لیے انھوں نے پیشکش قبول کرلی۔شوکت بالے کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آگیا۔

''یہ تمہارا بھیڑیا کیا بلا تھی؟''

''ارے وہ، یا نی آڑی پٹی والی پتنگ کو کہتے ہیں۔یہ تو سب پتنگوں کے نام ہیں۔'' شوکت نے بتایا۔شمو تو انتظار ہی کر رہا تھا، چائے لے کر آ پہنچا۔

''اچھا ڈیئر سکھٹ، آج تک تم مجھے دعوتیں کھلاتے رہے، آج چلو میری طرف سے ہوجائے۔''بالے نے کہا۔

Akram Allahabadi

''کاں؟''

''مونجنی میں۔''

''وہاں کا منیجر سالا بھوت حرامی ہے۔''

''اب سدھر گیا ہے۔''

''مگر یہ تم حاتم بھائی کی قبر پے کائے کو لات مار رے ہو؟''

''حاتم طائی۔تم یار ہمیشہ گدھے ہی رہو گے۔''

''میاں خاں، گدھے مدھے تم خد۔میں تو اس میزبانی کا سبب پوچھ رہا ہوں۔''

''اس لیے کہ پھر خدا جانے ہم کبھی ملیں نہ ملیں۔''

''اے لو،تو کیا پھانسی ہو رئی ہے تمہیں؟''

''کل کے بعد بالے بھائی تمہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملیں گے۔''

''ارے ئیں، ایسی جوانا مرگ کیا، یانی خدکشی مدکشی کا ارادہ ہے کیا؟''

''ابے مجھے اور خاں صاحب کو تڑی پار کا حکم ہوا ہے۔''

''اللہ قسم؟''شوکت نے حیرت سے کہا۔

''خود دیکھ لینا۔''

''کیا رشوت مشوت لے ڈالی تھی کچھ؟''شوکت نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

''نئیں تو غبن مبن کا ماملا ہو تو میں ساری رقم بھر دوں گا، گھبرانا کائے کا۔''شوکت نے گویا اظہارِ ہمدردی کیا۔

''دماغ تو نہیں خراب ہوا ہے تمہارا۔ابے خان صاحب جیسا ایماندار افسر پورے محکمے میں نہیں ہے۔ان کی اپنی زمینداری، جائیداد کیا کم ہے۔''بالے نے برا ماننے والے انداز میں کہا۔

''اے لو، میں کوئی جوشی وشی یا ہوں، یانی علم غیب جو مجھے سب مالوم ہو۔''

''خان صاحب مجھے لے کر جا رہے ہیں۔نہ یہ خبر ہے کہ کہاں جائیں گے، نہ یہ پتا ہے کہ کب آئیں گے۔''بالے نے بتایا۔

''یانی یہ تو وئی شیر ہوا کسی شائر کا کہ۔

کوئی نہیں سمجھا کہ خدا جانے انسان

کاں جاتا ہے اور کاں سے آتا ہے

''بالکل وئی شیر ہوا۔بس اب تم تیار ہو جاؤ، مجھے صرف آج کی رات کی مہلت ملی ہے کہ جو چاہوں کر لوں۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اپنی پُتنی دوستی کی آخری رات ہے۔''شوکت نے اداس ہوتے ہوئے کہا۔

''اب میں نے حسین چوکھٹوں پر مر مٹنے کے تمام سبق تمہیں سکھا ہی دیے ہیں، بس دعا دیتے رہنا اور مرتے مٹتے رہنا۔''

''ارے میاں جاؤ، میں خود کوئی وہ ہوں، جو تم سکھاؤ گے۔''

''اچھا اچھا، تم سیکھے سکھائے ماں کے پیٹ سے برآمد ہوئے تھے، بس۔چلو اب تیار ہو جاؤ، آج میں ڈٹ کر تفریح کرنا چاہتا ہوں۔''

''شوق سے، شوق سے، یانی تو ڈال ڈال میں پات پات۔''شوکت نے بھونڈے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔''میں ابھی تیار ہوا، تم جب تک چائے پی لو۔''وہ یہ کہہ کر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شاشا

رات کافی خوشگوار تھی اور مونجنی میں کافی رش تھا، اس لیے انھیں اوپر ٹیرس پر جانا پڑا۔ چھوٹی چھوٹی میزوں پر یہاں شفاف میز پوش بچھے ہوئے تھے اور ہر میز پر ایک گلدستہ موجود تھا۔ یہاں کرسیاں بید کی بنی ہوئی اور زیادہ آرام دہ تھیں۔ کھلی ہوا میں کئی جوڑے یہاں یا تو ٹہل رہے تھے، یا کرسیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور ہوٹل کے بیرے ٹرے لیے ادھر سے ادھر گھومتے پھر رہے تھے۔ چاروں طرف نظر دوڑانے پر بھی جب کوئی شناسا نظر نہ آیا تو وہ ایک خالی میز کے قریب کرسیاں کھینچ کر بیٹھ گئے۔

''یار ماملہ آج کچھ خشکا مالوم ہوتا ہے۔''شوکت نے کسی قدر بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''وہ ادھر دیکھو بورڈ پر کیا لکھا ہے۔''بالے نے بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔

''ارے ہاں کچھ پروگرام مروگرام ہے شاید۔ ہمیں کوئی ووٹنگ مونٹنگ کا چکر ہے سالا۔''شوکت غور سے بورڈ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''بیلٹ ڈروپ کا مطلب ڈانس کی پارٹی سے ہوتا ہے، بیٹے۔''

''اے لو، تو پھر الیکشن والے کیسے بیلٹ بکس اور بیلٹ پیپر ہوتے ہیں۔''شوکت نے اپنی دانست میں دلیل پیش کی۔

''اب خود ہی دیکھ لینا۔''

''میں تو یہ سمجھا تھا کہ مس لینا کو ووٹ دو۔''

''مس لینا اطالوی رقاصہ ہے اور اب اس کا ناچ ہوگا آج ۹ بجے۔''

''کاں، یاں چھت پے؟''

''اور وہ اسٹیج کیا تمہارے ناچنے کیلیے بنایا گیا ہے۔''

''اے لو، میں کائے کو ناچوں، کوئی میں وہ ہوں کیا، یانی، ہائے ہائے رے للّا تیرا جیے رے للّا...''

ایک بیرا اُن کے پاس بھی آ کھڑا ہوا۔

''ابھی تو کچھ سینڈوچ اور گرم کافی لاؤ۔'' بالے نے اسے آرڈر دیا۔

''اور میاں خاں سموسے بھی ہو تو لانا۔'' شوکت نے بھی اپنی فرمائش پیش کر دی۔

بیرا سر ہلا کر چلا گیا اور شوکت کی رال ٹپکنے لگی۔ دو لڑکیاں جو ابھی اوپر چڑھی تھیں اسی طرف آ رہی تھیں۔ قریب کی میز خالی تھی اس لیے وہ اسی پر بیٹھ گئیں۔ ان میں سے ایک خدوخال سے ہندوستانی ہی معلوم ہوتی تھی، حالانکہ اس کا رنگ بہت گورا تھا اور سفید ساڑھی کے نیچے اس کے سفید سفید سڈول بیرا ان میں یاقوت کے نگینوں کی طرح چمکتے ہوئے اس کے ناخن شوکت کو اتنے بھلے معلوم ہوئے تھے کہ وہ اس کے سراپا کو تکتا رہ گیا تھا۔ وہ کافی قبولِ صورت اور نرم و نازک تھی۔ دوسری لڑکی، جس کے بال کسی قدر سنہری مائل تھے، خاصی تندرست تھی۔ اس کی جلد سرخ تھی اور آنکھیں ذرا بھوری، مگر جسامت اور خوبصورتی کے اعتبار سے اس میں بلا کی سیکس اپیل تھی۔ وہ کوئی غیر ملکی وجود ہی معلوم ہوتی تھی۔ شوکت کی رال اسی کو دیکھ کر ٹپکی تھی، لیکن وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا تھا کہ دونوں میں سے کون زیادہ قابلِ توجہ ہے۔ اس نے حسرت بھرے انداز میں ایک سرد آہ کھینچی اور بالے کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اللہ میاں کائے کو ایسی ایسی چیزیں بناتے ہیں، بالے بھائی؟''

''چٹھی لکھ کر پوچھنا، ابھی دوسری بات کرو۔''

''ہائے، ایسے چوکھٹوں کو دیکھ کر اور کچھ کاں سوجھتی ہے۔ مجھے تو غالب مرزا جی کا وہ شیر یاد آ رہا ہے، یانی۔

یہ پری چہرہ نسیم لوگ کیسے ہیں

اور یا اللہ یہ ماجرا کیا ہے

''مجھے بھی داغ مرزا جی کا ایک شعر یاد آرہا ہے۔'' بالے اسی کی زبان میں بولا۔

''یانی برسات کے اندھوں کو سبزہ نظر آتا ہے۔''

اے لو، یہ کدر سے جمی۔''

''تمہیں سب ہی لڑکیاں پری چہرہ نظر آتی ہیں آج کل۔''

''اے لو تو جھوت کو تو جھوت کہیں گے ہی۔''

بیرے نے ان کی فرمائش کی چیزیں سامنے لاکر رکھ دیں اور ان لڑکیوں کی طرف چلا گیا۔

''کاش اپن بھی بیرے ہوتے۔'' شوکت نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

''کہو تو منیجر سے سفارش کردوں۔''

''کائے کی؟''

''تمہیں ملازم رکھ کے گا، بیرے کی حیثیت سے۔''

''ہوشت، میں خدا ایسے دو چار منیجر رکھ سکتا ہوں۔''

''تو پھر رونا کس بات کا ہے۔ اچھا لو تم اپنے سموسے کھاؤ۔''

''بالے بھائی، تم تو بھوت رستم خاں بنتے تھے، یار۔''

''کیا مطلب؟''

''ان سے جان پہچان کراؤنا۔''

''کیا شرط ہے؟''

''ایک دعوت۔''

''خیر تم بھی کیا یاد کرو گے۔'' یہ کہہ کر بالے اٹھا اور ان کے قریب چلا گیا۔ اس نے سفید ساڑھی والی لڑکی کو جب مخاطب کیا تو وہ دونوں چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

Akram Allahabadi

''معاف کیجیے گا، اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ شوبھا دیوی ہیں۔'' بالے نے بے دھڑک مخاطب کیا۔

''دیوی تو میں ہو نہیں سکتی، شوبھا ضرور ہوں۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''خیر، یونہی صحیح، میرا خیال ہے جب سے آپ نے فلم لائن چھوڑی ہے تب سے آج آپ کو دیکھ رہا ہوں۔'' بالے نے کھڑے کھڑے ہی کہا۔

''جی ہاں، میں نے فلائٹ لفٹننٹ شری دھر سے شادی کر لی ہے۔ فلم لائن کو میں ہمیشہ کیلیے خیر باد کہہ چکی ہوں۔''

''مجھے معلوم ہے اور میں اخباروں میں آپ دونوں کی شادی کے فوٹو بھی دیکھ چکا ہوں۔'' بالے نے ہنس کر کہا۔

''پرانی بات ہے۔'' وہ مسکرا دی

''اور آپ؟'' بالے نے دوسری لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ''مگر نہیں، آپ تو کوئی پردیسی مہمان معلوم ہوتی ہیں۔'' اس نے خود ہی جیسے اپنے کسی خیال کی تردید کی۔

''یہ مس شاشا ہیں۔ انڈو چائنا کے ثقافتی مشن کی ممبر اور بڑی اچھی اسٹیج آرٹسٹ ہیں۔'' شوبھا نے اپنے ساتھ والی لڑکی سے اس کا تعارف کرایا۔

''میرا نام ایکناتھ چکرورتی ہے۔ میں یہاں ایک کاسمیٹکس کی فرم کا سیلز انسپکٹر ہوں۔'' بالے نے یونہی تفریحاً جھوٹ بولتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جھوٹ ایک دن کا تھا، کل تو وہ یہاں سے جانے ہی والا تھا۔

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔'' شاشا شائستہ انگریزی لہجے میں بولی۔

''معاف کیجیے گا، آپ تو بہت صاف انگریزی بولتی ہیں اور ویسے شکل وصورت سے بھی...'' بالے نے کہنا چاہا، مگر اس نے خود ہی بات کاٹ دی۔

''میں نسلاً فرانسیسی ہوں، لیکن پیدائش کے اعتبار سے انڈو چائنا سے میرا تعلق

ہے۔"

"اوہ، تب ہی آپ کے چہرے کے نقوش یوروپینیوں جیسے نہیں۔"

"میں جب اپنے شوہر کے ساتھ ایک خیر سگالی دورے پر انڈونیشیا گئی تھی تب وہیں ان سے ملاقات ہوئی تھی اور تب سے ہی ہم ایک دوسرے کے گہرے دوست ہو گئے۔" شوبھا نے بتایا۔

"دراصل میرے دوست اور مجھ میں آپ کے بارے میں بحث ہو رہی تھی۔ میں کہہ رہا تھا کہ آپ شوبھا دیوی ہیں اور وہ ضد کر رہا تھا کہ اتنی مشہور فلم اسٹار یہاں کیوں آنے لگیں۔" بالے نے اپنی مداخلت کی وجہ بتاتے ہوئے تھوڑا سا پولسن بھی استعمال کر ڈالا تاکہ شوکت کیلیے فضا سازگار ہو جائے۔

"یہیں بلا لیجیے نا انھیں بھی تاکہ ان کی غلط فہمی دور ہو جائے۔" شوبھا ہنس کر بولی۔

"ارے بھئی شوکت، یہیں آ جاؤ، خود دیکھ لو غور سے۔"

بالے نے وہیں سے کہا اور شوکت سٹپٹا سا گیا، مگر آنا تو پڑا اسے۔

"جیاں جیاں، دیکھ لیا ہے میں نے، اچھی طرح دیکھ لیا ہے، وہی ہیں۔" وہ کچھ اور ہی مطلب سمجھ کر بڑبڑاتا ہوا قریب آ گیا۔

"کون وہی؟" شوبھا نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"یانی، یانی، مس مردولا، سارا بھائی کھانڈے والا۔" وہ بوکھلاہٹ میں کہہ گیا۔

"جی نہیں، بلکہ آپ کے دوست کا خیال صحیح ہے، میں شوبھا ہی ہوں۔" شوبھا ہنس کر بولی۔

"شو... بھا..." شوکت نے کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ بالے بیچ میں بول اٹھا۔

"ہاں، مس شوبھا فلم اسٹار، اور اب مسز شری دھر۔" بالے نے شوکت کا پیر اپنے پنجے سے دباتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''جیاں جیاں، اب سمجھا۔یانی دراصل مجھے غلط فہمی ہوگئی تھی، مُیں، یانی کہ غلط سمجھا تھا میں۔''شوکت نے اپنی جھینپ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''بیٹھیے نا، آپ لوگ کھڑے کیوں ہوئے ہیں۔''شوبھا نے اخلاقاً کہا۔

''آپ لوگوں نے ابھی کچھ نہیں منگویا ہے، اس لیے کیوں نہ ہماری میز پر ہی آجائیں۔''بالے نے پیشکش کی اور شوبھا نے شاشا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''کیا حرج ہے۔''وہ مسکرائی اور دونوں اٹھ کر ان کی میز پر آگئیں۔

شوکت دل ہی دل میں بالے کے اس کمال کا اعتراف کرنے لگا۔ان لوگوں نے جن چیزوں کا آرڈر دیا تھا، بیرا وہ بھی اسی میز پر لے آیا۔

''آپ کی تعریف بھی ہوجائے۔''شوبھا نے شوکت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ یہاں کے شاندار رئیسوں میں سے ہیں۔شوکت میاں نام ہے، جاگیردار بھی ہیں اور ٹھیکیدار بھی۔''وہ سنجیدگی سے بولا۔

''جیاں۔اور نواب بھوپال کے خاندان سے میرا تعلق بھی ہے۔''۔''مزید تعارف اس نے خود کرادیا۔

''تب تو آپ کا دم بہت غنیمت ہے۔''شوبھا مسکرائی۔

''بڑے زندہ دل اور بھولے قسم کے آدمی ہیں۔''بالے نے اس کی شخصیت کی اور تشریح کردی۔

''ہم لوگ یہاں خاص طور پر مس لینا کا رقص دیکھنے آئے ہیں۔سنا ہے اٹلی کی مشہور رقاصہ ہیں۔''شوبھا بتانے لگی۔

اپنا بھی کچھ ایسا ہی ارادہ سمجھ لیجیے۔''

تھوڑی دیر کیلیے گفتگو کا سلسلہ رک گیا اور پلیٹیں صاف ہونے لگیں۔اس عرصے میں شوکت اپنا انتخاب بدل چکا تھا۔شوبھا چونکہ شادی شدہ نکلی، اس لیے اس سے دلچسپی لینے کا تو

سوال ہی نہیں رہ گیا اور پھر شاشا میں جو سیکس اپیل تھی، وہ جذباتی قسم کے لوگوں کو پاگل کرنے کیلیے کافی تھی۔شوکت اسی کو تکنے لگا، مگر نہ تو وہ جھینپی نہ اس نے برا مانا۔شوبھا نے شوکت سے بھی شاشا کا تفصیلی تعارف کرادیا۔

''تو آپ کا نام ایسا کائے کو ہوا، یانی شاشا؟''شوکت نے کسی حونق کی طرح بھونڈا سا سوال کیا۔

''اب یہ تو ان کے نام رکھنے والے جانیں، ویسے آپ کو اس نام پر کوئی اعتراض ہے؟''شوبھا نے شوکت سے بے تکلفی سے پوچھا۔

''مُیں، یانی میرا مطلب ہے کہ کچھ بلبل بدن، غنچہ دہن، بہار آفریں وغیرہ ہوتا تو اور اچھا لگتا۔''شوکت نے اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا۔

''دراصل شوکت صاحب، حسن کے پجاری ہیں، انھیں جہاں جس چیز میں حسن ملتا ہے، بس چاروں ہاتھ پاؤں سے اس کے جلووں میں غرق ہوجاتے ہیں۔''بالے نے شوبھا سے شوکت کی مزید تعریف کی۔

''اے لو، غرق ہو خُد تمہارا بیڑا، میرا کائے کو؟ یانی یہ کوئی مزاخ کا موقا ہے۔'' شوکت نے احتجاجی لہجے میں بالے سے کہا۔

''نازک مزاج بھی ہیں اور بعض اوقات سیدھی باتوں کا الٹا مطلب نکال کر بگڑ بھی جاتے ہیں، مگر دل کے بہت اچھے ہیں۔''بالے نے اس کی ان سنی کر کے شوبھا سے کہا۔ وہ شوکت کی طرف دیکھ کر مسکرادی۔

''تو آپ مس شاشا، یاں تفری کرنے کو آئی ہیں؟''شوکت خود شاشا سے مخاطب ہوا۔

''جی۔''

''مُیں، واقعی۔اور یاں سے اچھی تفری کہیں ہوتی بھی مُیں ہے۔کیسے کیسے آدمی،

کیسی کیسی اور تیں ۔ریل ،ٹرام،موٹر گاڑیں ،اللہ کا دیا سب کچھ یہیں ہے۔''شوکت نے گفتگو کا سلسلہ جاری کر دیا۔

''یہ سب تو ہمارے یہاں بھی ہوتا ہے۔''شاشا نے ہنس کر کہا۔

''نہیں،مگر ہم لوگ موجت بھوت کرتے ہیں ۔یانی پر دیسیوں سے ۔بچارے کاں کاں سے گھوم گھام کر ہمارے وطن میں آتے ہیں ۔ابھی اِتا بھی نہیں کریں تو لانت ہے ہم پے۔''شوکت نے محبت کا موضوع چھڑتے چھیڑتے اس کی لگام مہماں نوازی کی طرف گھما دی۔

''ہندوستانیوں کی مہماں نوازی کی تعریف تو میں نے بھی سنی ہے۔''شاشا نے کہا۔

''جیاں،کوئی ایسے ویسے ۔ارے صاحب،مہمانوں کے راستے میں اپنے دل وجگر تک بچھا دیتے ہیں ۔اپنی آنکھیں فرشِ راہ (فرشِ راہ) کر دیتے ہیں ۔ارے ہم ہندوستانیوں کا مت پوچھیے ،ہم لوگ نیچے سے اوپر تک موجت ہی موجت ہوتے ہیں، کیوں بالے بھائی؟'' اپنی تقریر کے بعد شوکت نے بالے سے تائید چاہی۔

''بالکل بالکل۔''بالے نے جلدی سے سر ہلا دیا۔

''اچھا کیا آپ کے انڈونیشیا میں بھی لوگ موجت کرتے ہیں؟''وہ شاشا سے سوال کر بیٹھا۔

''یہ آپ کے دوست کچھ پیدل معلوم ہوتے ہیں۔''شوبھا نے شوکت کو شاشا سے گفتگو میں مصروف چھوڑ کر آہستہ سے بالے سے پوچھا۔

''پیدل بھی کہاں چلا جاتا ہے کمبخت سے۔''بالے بھی اسی انداز میں مسکرایا۔''بس یوں سمجھ لیجیے کہ قسمت میں سب کچھ ہے،مگر ایک بھیجے کی کمی ہے۔''

''بہر حال،آدمی خاصے دلچسپ ہیں۔''بالے نے کہا۔اور وہ دونوں پھر شوکت کی طرف متوجہ ہو گئے ۔بالے کی نظروں میں نہ جانے کیوں شاشا کے رکھ رکھاؤ میں بناوٹ سی نظر

آرہی تھی۔

''کیوں نہیں، کیا آپ کے خیال میں ہم لوگ جانور ہیں؟''

''ارے نہیں، اللہ توبہ، میرا یہ مطلب ہو تو میرا سور کا منہ۔ میں تو یہ پوچھ رہا تھا کہ... یانی کہ...''

''میں سمجھ گئی، آپ کا مطلب وہ رومانس والی محبت سے ہے۔''

''اے لو، اب میں اِتّی بے تکلفی کیسے کر سکتا ہوں۔ لیلیٰ مجنوں تو ہر قوم میں پیدا ہوتے ہیں۔''

''اچھا، تو آپ کی مراد اخلاق سے ہے؟''

''جیاں، جیاں، وئی۔ یانی میل مروّت۔'' شوکت نے جلدی سے سر ہلایا۔

''آپ کبھی تشریف لائیے، خود معلوم ہو جائے گا۔'' شاشا نے کہا۔

''اچھا، اگر میں آپ کو اپنے دولت خانے نئیں، یانی غریب کھانے... لاحول ولا قوۃ، قریب خانے پے داوت دوں تو آپ آئیں گی؟'' شوکت بوکھلا گیا۔

''کیوں نہیں، کیوں نہیں۔'' وہ شوبھا کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔ اس کے بعد شوکت کی زبان پھر بند ہو گئی، کیونکہ کوئی اور موضوع گفتگو کرنے کیلیے اس کی سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا۔

''اچھا آپ انڈو چینی ہیں نا؟'' اس نے گفتگو جاری رکھنے کیلیے شاشا سے سوال کیا۔

''جی، میں فلپائنی ہوں۔''

''میں سمجھا نئیں۔''

''یعنی فلپس کمپنی کی بنی ہوئی۔'' شوبھا ہنس کر بولی۔ جس پر شاشا کا بھی قہقہہ چھوٹ گیا۔

''تو یانی آپ میرا مزاخ اڑا رہی ہیں؟'' شوکت نے شوبھا کی طرف دیکھ کر منہ لٹکا

لیا۔

''صاحب، آپ کو منیجر صاحب یاد کرتے ہیں۔'' ایک بیرے نے پیچھے سے آکر آہستہ سے سارجنٹ باے سے کہا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ منیجر خاموش کاؤنٹر کے نزدیک کھڑا تھا۔

''آپ کا فون ہے۔'' منیجر نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ۔'' اس نے یہ کہہ کر رسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف خان تھا۔

''فرمایئے۔'' بالے نے کہا۔

''میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' خان کی آواز آئی۔

''مگر آپ نے تو مجھے رات بھر کی مہلت دی ہے۔'' بالے نے احتجاج کیا۔

''آخر وہاں لڈو تو نہیں بٹ رہے۔'' خان کا لہجہ جھنجلایا ہوا تھا۔

''انسان کو زندہ رہنے کے ساتھ ساتھ تفریح کرنے کا بھی حق ہے۔''

''یہ حق پھر بھی ادا ہو سکتا ہے، تم جلدی آؤ۔''

''آنا ہی پڑے گا؟''

''قطعی۔''

''ہائے، نہ ہوئے آپ ہٹلر، ورنہ ساری دنیا کو توپ سے اڑا دیتے۔'' یہ کہہ کر اس نے بجھے دل سے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''کیا آپ نے انھیں فون کیا تھا کہ میں یہاں ہوں؟'' بالے منیجر کی طرف گھوما۔

''میرے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی، جناب۔'' منیجر نے سادگی سے کہا۔

''تو پھر ان کے فرشتوں کو رہی ہوگی۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا شوکت کی طرف چل دیا۔

''بھائی شوکت، ہم تو چلے۔'' اس نے قریب جا کر رخصت طلب انداز میں کہا۔

''اے لو، اِتّی جلدی؟'' شوکت کو تعجب ہوا۔

''قہرِ درویش بہ جانِ درویش۔''

Akram Allahabadi

''یانی یہ تو وئی ضرب مثال ہوئی کہ کبھی آئے کبھی بیٹھے اور کبھی دامن سنبھالا ہے۔''شوکت نے شعر پڑھ کر اپنی لیاقت کا مظاہرہ کیا۔

''اچھا، پھر ملیں گے اگر خدا لایا۔''بالے نے بھی شاعرانہ انداز میں ہی رخصت طلب کرتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔شوکت اس وقت اتنی حسین صحبت سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھا،اس لیے اس نے اٹھنا مناسب نہ جانا اور وہیں سے ہاتھ ہلانے لگا۔

''مگر میاں خاں،چٹھی مٹھی ضرور لکھنا۔''اس نے تاکید کی۔

''آپ کے ساتھی کہیں دور جا رہے ہیں؟''شاشا نے شوکت سے سوال کیا۔

''ارے ان کی مت پوچھیے۔ایک ٹانگ تو ان کی ہمیشہ اٹھی ہی رہتی ہے۔''شوکت نے اپنے تئیں بالے کی مصروفیت اور دوڑ دھوپ کا ذکر کیا۔بالے کو تو جلدی تھی،اس لیے وہ چلا گیا،مگر شوکت ان دونوں کا تختۂ مشق بنا رہا۔لڑکیوں کو ایک دلچسپ کھلونا ہاتھ آ گیا تھا۔

''شوکت صاحب،آپ شاعر بھی ہیں،یہ جان کر تو بہت خوشی ہوئی۔''شوبھا نے شاشا کو آنکھ مارتے ہوئے تعریف کرنے والے انداز میں شوکت سے کہا۔

''بس یونئ تھوڑا بھوت کہہ لیتا ہوں۔''شوکت نے ایک تکلف پسند شاعر دوست کے مکالمے یاد کرتے ہوئے کہا۔

''ارے تو پھر سنایے نا۔''

''اے لو،اس وخت (وقت) تھوڑی شیر اتر آئے گا،وہ تو موڈ پے شاعری ہوتی ہے،یانی وخت وخت سے۔''

''ہم تو ابھی سنیں گے۔''شاشا نے قتل کر دینے والی ادا سے اصرار کیا۔

''کمال ہے۔اچھا،مگر ذرا اترنے تو دیجیے سالے کو۔''وہ چھت کی طرف گھور کر سوچنے لگا۔

''کسے؟''

''شیر کو، اور نئیں تو کیا ہاتھی گینڈا اترے گا شائر کے دماغ پے۔''

''اچھا اچھا، جلدی اتاریے۔'' شوبھا ہنس پڑی۔

شوکت نے جواب تو کوئی نہیں دیا، مگر کسی پہنچے ہوئے شاعر کے انداز میں شاشا کی خوبصورت آنکھوں کی طرف دیکھ کر گنگنانے لگا۔

''آ...آپ برا تو نہیں مانیں گی۔'' اس نے اچانک شاشا سے پوچھا۔

''کس بات کا؟''

''یانی میں آپ کی آنکھوں کے اوپر شائری کروں تو۔''

''اس میں برا ماننے کی کونسی بات ہے اور پھر یہ تو ان کے حسن کی تعریف ہوگی۔'' شوبھا نے شاشا کی بجائے جواب دیا۔

''جیاں، ہیئی تو میں بھی کہنے والا تھا۔ اچھا تو، ہاں کیا شیر ہے وہ، ہاں یاد آیا، یانی

''کیا ملا ظالم تیری آنکھ نے ہمارے دل کے ٹکڑے کر دیے

لیلیٰ نے بچارے مجنوں میاں کے ساحل کے ٹکڑے کر دیے''

''بھئی جواب نہیں، شوکت صاحب۔'' شوبھا اچھل پڑی اور شاشا مسکرا دی۔

''شاعر ہو تو ایسا ہو۔ ہائے، مجنوں کے ساحل کے ٹکڑے کر دیے۔'' وہ دوبارہ بولی اور شوکت اسے اپنی تعریف سمجھ کر اظہارِ تکلف کرنے لگا۔

''اجی میں تو نالائق ہوں، یانی کس لائق ہوں۔''

''یہ تو آپ کی کسرِ نفسی ہے۔'' شوبھا زبردستی سنجیدہ ہو کر بولی۔ ''مگر شوکت صاحب، معلوم ہوتا ہے آپ کو شاشا کی آنکھیں بہت پسند ہیں۔'' وہ شاشا کو آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''اور نئیں تو کائے کو شیر کے ریا ہوں۔ ہائے، دیوانے (دیوانِ) داغ صاحب بھی کیا کہہ گئے ہیں، یانی کہ تیری آنکھیں نئیں ہیں یہ تو تیر ہیں اور زلفیں شمشیر ہیں۔''

Akram Allahabadi

''بھئی بس،شوکت صاحب۔''شوبھا پیٹ پکڑ کر بولی۔''ورنہ آپ اسی طرح شعر کہتے رہیں گے اور ہم ساری رات یہیں بیٹھے رہیں گے،اور پھر کبھی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور شاشا بھی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پراسرار مشن

"حکم عالی جاہ، غلام حاضر ہے۔"

"شانتا کروز چلنا ہے، تیار ہو جاؤ۔"

"خدا نے رات آرام کیلیے بنائی ہے۔"

"حرام خوروں کیلیے نہیں۔"

"حلال خوروں کیلیے بھی نہیں۔ بیچاروں کو صبح چار بجے جھاڑو سنبھالنی پڑتی ہے۔"

"کھانا کھا کر آئے ہو؟"

"غم کھا کر آ رہا ہوں۔ ہائے، کیا چیز تھی، آپ دیکھتے تو دو چار منٹ کیلیے ضرور بیہوش ہو جاتے۔"

"میں اتنے سستے جذبات نہیں رکھتا۔"

"جی ہاں، میں نے تو کباڑ خانے سے خرید لیے تھے۔"

"کیا؟"

"جذبات۔"

"گدھے، میرا دماغ مت چاٹو، ہمیں روانہ ہونا ہے۔ میں ٹیلی فون پر اطلاع دے چکا ہوں۔"

"واپسی کی کچھ توقع ہے؟"

"کہا نہیں جا سکتا۔"

"اور اس پر بھی آپ نہ بتائیں گے کہ کس سلسلے میں یہ مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں؟"

"مجھے خود معلوم نہیں۔"

Akram Allahabadi

''خدا معلوم کرائے، مصیبت کوئی وزنی معلوم ہوتی ہے۔''

کچھ دیر بعد ان کی کار رات کی تاریکی میں شانتا کروز کے ہوائی اڈے کی طرف جا رہی تھی۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی رازداری کیوں برتی جا رہی ہے؟''

''کوئی ایسا ہی اہم سرکاری معاملہ ہوگا۔''

''میں نے ہوٹل میں جس لڑکی کو دیکھا تھا اس پر خواہ مخواہ مجھے شک ہو رہا تھا۔''

''ہوگی، گولی مارو، ہمیں ہر معاملے میں ٹانگ گھسیڑنے کی ضرورت نہیں۔'' خان نے بے تعلقی کا اظہار کیا۔

ان کی کار جب ہوائی اڈے کے نزدیک پہنچی تو سڑک پر ہی انھیں فوجی پولیس کے آدمی نظر آئے جو آہنی ہیٹ پہنے ہوئے تھے۔ انھوں نے خان کی کار روک لی۔

''سڑک بند ہے۔'' ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

''ہمیں معلوم ہے۔'' خان نے یہ کہہ کر جیب سے ایک کارڈ نکالا اور ان فوجیوں کی طرف بڑھا دیا۔ ان میں سے ایک جو سارجنٹ معلوم ہوتا تھا، اسے کھول کر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اس میں چسپاں شناختی فوٹو سے خان کی صورت ملائی اور کارڈ واپس کرتے ہوئے اٹینشن ہو گیا۔ خان نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔

آگے انھیں ہر فرلانگ پر فوجی پولیس کے آدمی کھڑے نظر آئے، لیکن انھوں نے روکا نہیں، شاید آگے کوئی دوسری چوکی تھی۔

فضائی اڈے کے موڑ پر جہاں سے اندر جانے والی بڑی سڑک شروع ہوتی تھی، انھیں فوجی چوکی نظر آئی، یہاں انھیں پھر روکا گیا اور جب خان نے اپنا شناختی کارڈ اور بالے کا کارڈ انھیں دکھایا تو انھیں اندر جانے کی اجازت دیدی گئی۔ ان کی کار اندر جاتے ہی ایک فوجی افسر نے کار کا نمبر نوٹ کیا اور دوسرے نے چوکی سے اندر اپنے کمانڈر کو فون کر دیا۔ ان کی کار

جب ایروڈرم ایریا میں داخل ہوئی تو یہاں ایک فوجی کپتان مع چار فوجیوں کے موجود تھا۔ سڑک کو ایک لفٹنگ بار کے ذریعے بند رکھا گیا تھا۔ کپتان نے سرسری نظر سے خان کا کارڈ دیکھا اور مسکرا دیا۔

''آپ کے آنے کی اطلاع ہمیں مل چکی ہے، تھرڈ پیرک ملٹری کمانڈ ہیڈ کوارٹرز پر تشریف لے جایئے۔'' کپتان نے دائیں سمت کی سڑک پر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تھینکس۔'' خان بھی مسکرا دیا اور کار دائیں سمت موڑ دی۔

''کون تھا یہ؟'' کپتان سے اس کے ماتحت لفٹنٹ نے پوچھا۔

''سول پولیس کے محکمۂ خفیہ کا سپرنٹنڈنٹ۔'' کپتان نے بتایا۔

''اوہ، تو وہی ہوگا۔'' لفٹنٹ نے جیسے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔

''کون؟''

''سپرنٹنڈنٹ خان۔ وہ سیکرٹ سروس میں بھی مشہور رہے۔'' لفٹنٹ نے بتایا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا؟'' کپتان نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''میں اس سروس میں رہ چکا ہوں۔'' لفٹنٹ نے جھوٹ بولا۔ حالانکہ اس کا تعلق سیکرٹ سروس سے اب بھی تھا۔ یہ لوگ خود کو دوسرے فوجی افسروں سے بھی چھپاتے تھے اور سیکرٹ سروس والوں کے بارے میں یہ جاننا ہی ناممکن تھا کہ وہ کون ہیں، لیکن ان کے سیکرٹ سروس سے تعلق کے متعلق خود ان کے افسرانِ اعلیٰ بھی نہیں جانتے تھے۔

اس سڑک پر دفاتر کی پیرکس تھیں جن کے باہر چھوٹے چھوٹے بغیچے لگے ہوئے تھے۔ تیسری پیرک کے باہر بغیچے کے درمیان ایک پلیٹ فارم تھا، جس پر تختی لگی تھی اور لکھا تھا۔

'جنوبی کمان، نیوکلیئر آپریشنز یونٹ (Nuclear Operations Unit)'

ہیڈ کوارٹرز پیرک کے سیڑھیوں والے صدر دروازے کے باہر دو باوردی مسلح فوجی اٹینشن کھڑے تھے۔ پلیٹ فارم کے اوپر جنوبی کمان کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔

Akram Allahabadi

ان کی کار جب بغیچے کی روش پر مڑی تو دونوں فوجیوں نے ادھر متوجہ ہو کر بندوقیں سیدھی کر لیں۔ پیرک میں کوئی آفیسر فائلیں ہاتھ میں لیے گزر رہا تھا، وہ بھی ادھر متوجہ ہو گیا۔ وہ سیڑھیوں تک آ گیا، کیونکہ خان کی کار سویلین کار تھی۔ خان اور بالے کار سے اترے، کیونکہ آفیسر جو میجر کے عہدے کا تھا خود ان کی طرف متوجہ تھا، اس لیے فوجیوں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ خان خود ہی میجر کے قریب پہنچ گیا۔

''سپرنٹنڈنٹ خان فرام ڈی۔سی۔بی۔سی۔آئی۔ڈی۔ رپورٹنگ فار ڈیوٹی۔'' خان نے کہا۔

''اوہ، اور شاید یہ آپ کے اسسٹنٹ سارجنٹ بالے ہیں۔'' میجر نے مسکرا کر ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ بالے اٹینشن ہو گیا۔

''ویل آفیسرز، بریگیڈیئر سہگل آپ کا انتظار کر رہے ہیں، اس طرف تشریف لایئے۔'' میجر نے برآمدے میں ان کی ایک دروازے کی طرف رہنمائی کی۔

بریگیڈیئر سہگل ایک ادھیڑ عمر کا سرخ و سفید تندرست آفیسر تھا۔ بشرے سے خوش مذاق، مگر بارعب نظر آتا تھا۔ خان نے جب اندر داخل ہو کر اسے فوجی انداز کا سلام کیا، تو وہ مسکرا کر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ سپرنٹنڈنٹ خان ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ میں اور کسی کا انتظار نہیں کر رہا تھا۔'' اس نے یہ کہہ کر ان سے خوش اخلاقی سے باری باری ہاتھ ملایا اور انھیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی بیٹھ گیا۔

''ویسے تو آپ لوگوں کی ڈیوٹی کل سے جنوبی کمان کی نکلیئر یونٹ کے ساتھ شروع ہو رہی تھی، لیکن بعض مصلحتوں کی بنا پر میں نے ابھی طلب کر لیا ہے، کیونکہ معاملات زیادہ اہم ہیں۔'' بریگیڈیئر نے کہنا شروع کیا۔

''فرائض کی ادائیگی میں وقت کو اتنی اہمیت حاصل نہیں ہے۔'' خان نے مسکرا کر

جواب دیا۔

''شاید ابھی تک آپ لوگوں کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ آپ کہاں جانے والے ہیں اور کیوں؟ بہر حال ہم کہاں جانے والے ہیں، یہ ابھی سیکرٹ ہے اور یہاں سے روانگی کے بعد ہی معلوم ہوگا، لیکن کیونکہ آپ پر ایک خاص ذمے داری ڈالی جاتی ہے، اس لیے میں آپ کو ایک راز تو بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ ہماری یونٹ ہمارے خود ساختہ پہلے ایٹم بم کا تجربہ کرنے جا رہی ہے اور تا وقتیکہ ہمارے تجربات ہماری خواہشات کے مطابق کامیاب نہ ہو جائیں، سرکاری طور پر اس خبر کو انتہائی صیغۂ راز میں رکھا گیا ہے۔'' بریگیڈیئر نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا۔

''نکلیئر یونٹ کے نام سے میرا بھی کچھ ایسا ہی خیال تھا۔'' خان مسکرایا۔

''ٹھیک ہے۔ بہر حال، آج کی رات اور صبح ۷ بجے تک اس ایروڈرم پر فوج کا قبضہ ہے اور حفاظتی تدابیر کے تحت پورا علاقہ سویلین ٹریفک کیلیے بند کر دیا گیا ہے۔ پہلے ہمارا پروگرام یہاں سے دن گیارہ بجے روانگی کا تھا، مگر اب اسے تبدیل کر کے علی الصبح کر دیا گیا ہے۔ ہم ساڑھے ۶ بجے یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ آپ لوگ ہمارے ساتھ جا رہے ہیں۔'' بریگیڈیئر نے بتایا۔

''تو اسی لیے ہمیں اس وقت طلب کیا گیا ہے؟'' خان نے کہا۔

''ایک وجہ اور بھی ہے۔ سیکرٹ سروس کو اطلاع ملی ہے کہ ہمارے اس پہلے اور بڑے تجربے کو ناکام بنانے کیلیے کوئی سازش کی جا رہی ہے۔ کوئی خارجی طاقت جو ہندوستان کو ایٹمی طاقت بننے سے روکنا چاہتی ہے۔'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ اسے دروازے پر ایک سایہ نظر آیا تھا۔

''یس، کم ان۔'' وہ وہیں سے زور سے بولا۔

اور دوسرے لمحے میجر اندر آ پہنچا۔ بریگیڈیئر سوالیہ نظروں سے اس کی شکل دیکھنے

لگا۔

''سائنسدانوں کی مشاہدہ کرنے والی ٹیم آ پہنچی ہے، سر۔''میجر نے خبر دی۔

''ان کی شخصیتوں کو چیک کرلیا گیا ہے؟''بریگیڈیئر نے پوچھا۔

''ظاہر ہے کہ سیکرٹ سروس والے بغیر ایسا کیے انھیں اندر نہ آنے دیتے۔''میجر نے بتایا۔

''آئی ڈونٹ وانٹ لاجیکل ایکسپلنشن۔''بریگیڈیئر بگڑ گیا۔

''میں ایک بار اور چیک کرائے لیتا ہوں۔''میجر نے اٹینشن رہ کر جواب دیا۔

''مسٹر خان، آپ یہ کام کر ڈالیے۔ یہاں موجود ملٹری پولیس کو آپ اپنا عملہ سمجھ سکتے ہیں۔ میں آرڈر جاری کیے دیتا ہوں، سیکرٹ سروس والے تو اپنے کام میں مصروف ہیں ہی، مگر میں اس لیے مطمئن نہیں ہوں کہ مشاہدین میں بہت سے اعلیٰ سرکاری، سویلین عہدیدار اور سائنسداں بھی موجود ہیں۔ ایسی شخصیتوں کے درمیان آپ کے تجربات زیادہ کام کر سکتے ہیں۔''وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

''میں سمجھ گیا۔''خان نے کہا۔

''آپ ضروری سمجھیں تو پورا ایریا چیک کر سکتے ہیں۔''بریگیڈیئر بولا۔

''ویری ویل، سر۔ سووی گو۔''خان اٹھ کھڑا ہوا۔ بالے کو نہ تو کچھ بولنے کا موقع ملا تھا، نہ اس کی ضرورت تھی۔ اسکی طرف ابھی تک کسی نے توجہ بھی نہ کی تھی۔ کیونکہ ان کی توجہ کا مرکز خان تھا۔ خان اور بالے بریگیڈیئر کے آفس سے باہر نکل آئے۔ بریگیڈیئر نے اس وقت ملٹری پولیس کے نام ہدایت جاری کر دیں۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

سر منڈاتے ہی

بالے کو خان نے تنہا چھوڑ دیا تا کہ علیحدہ علیحدہ پورا ایریا چیک کیا جا سکے۔ خان کو بعد میں میجر نے آرمس ہینڈ دیدیے تھے، جن پر .M.P.O لکھا تھا۔ لیکن خان نے اپنا بیج جیب میں رکھ لیا تھا اور بالے کو بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ جب اس کا دکھانا انتہائی ضروری ہو، تب ہی نکالنا۔ ایروڈرم پر بڑے شیڈ کے قریب ہی دو جیٹ طیارے کھڑے تھے جو مچھلی جیسی شکل کے بمبار طیارے تھے اور ان طیاروں کے گرداگرد چہار یکی مسلح فوجی چاروں طرف سے گھیرا قائم کیے پہرہ دے رہے تھے۔ غالباً ان ہی طیاروں میں ایٹم بم تھے۔ اس ایئر اسٹرپ (Air Strip) کا راستہ سب کیلیے بند تھا۔ فیلڈ کے کنارے جہاں سویلین اسٹاف کیلیے کینٹین بنایا گیا تھا، وہاں اس وقت فوجی افسر میزوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ ان میں سارجنٹ سے لے کر کپتان کے عہدے تک کے آفیسر تھے۔ ان میں سے کچھ نے تو وقت گزاری کیلیے میزوں پر تاش کھیلنا شروع کر دیا تھا اور کچھ جو شبِ بیداری کیلیے شراب کے عادی تھے، اپنی جیب کی بوتلوں سے پی بھی رہے تھے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک اس قدر محتاط تھا کہ اپنے مشن کے بارے میں کوئی گفتگو ہی نہیں ہوتی تھی۔ بس ادھر ادھر کی۔ بالے جب کینٹین میں داخل ہوا تو پہلے تو کچھ لوگ اسے دیکھ کر چونکے، پھر سب ہی اسے دیکھنے لگے۔ ان کیلیے یہ تعجب کی بات ہی تھی کہ کوئی سویلین یہاں اس وقت آ پہنچے۔ وہ سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے، مگر بالے ان کی اس کیفیت سے بے نیاز ہر چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''یس، پلیز۔'' بالآخر ایک آفیسر نے، جو کندھے پر لگے تین چکر والے اسٹارز کے ساتھ کپتان معلوم ہوتا تھا، اسے ٹوک ہی دیا۔

''آن ڈیوٹی۔'' بالے نے آہستہ سے کہا اور آفیسر نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ

اسے تذبذب کی نظروں سے دیکھتا ہوا دوسری میز کی طرف چلا گیا، مگر اس کے اس اقدام کے بعد جیسے سب بالے کی طرف سے مطمئن ہو گئے ہوں۔ وہ اپنے مشاغل میں لگ گئے۔ بالے نے ایک خالی میز کے نزدیک کرسی گھسیٹ لی اور بیٹھ گیا۔ مگر وہ یہاں کے اس فوجی ماحول میں خود کو اجنبی محسوس کر رہا تھا، جہاں فوجی نظم وضبط کے بڑے پابند ہوتے ہیں، وہیں سر پھرے بھی ہوتے ہیں۔ وہ کم از کم اپنی توہین تو برداشت کر ہی نہیں سکتے۔ اور جو ذمے داری خان اور بالے کو سونپی گئی تھی، وہ اس اعتبار سے کافی خطرناک تھی، ممکن ہے یہاں سیکرٹ سروس کے افسر بھی موجود ہوں۔ لیکن انھیں جاننا ہی بہت مشکل تھا۔ خدا جانے سامنے بیٹھا ہوا ایک معمولی سا رجنٹ ہی اس شعبے سے تعلق رکھتا ہو، جس کپتان نے اس سے سوال کیا تھا وہ خود سیکرٹ سروس کا ہو۔ بہر حال اپنی نوعیت کا وہ پہلا اور مشکل کام تھا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ سفید بیروں کی وردی میں ایک اٹنڈنٹ اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

''آپ کو کچھ چاہیے؟'' اس نے پوچھا۔

''صرف کافی۔'' بالے نے کوٹ کے کالر سکوڑتے ہوئے کہا۔

بیرا بغیر جواب دیے چلا گیا، لیکن بالے کو اس سوچ میں چھوڑ گیا کہ جہاں ایک فوجی سرکاری مشن میں اس قدر رازداری برتی جا رہی ہے وہاں ان سویلین بیروں کا کیا کام، لیکن پھر خود ہی اس کے ذہن میں یہ بات آ گئی کہ اگر یہ کوئی قابلِ اعتراض بات ہوئی تو اتنے بہت سے فوجی اس پر اعتراض نہ کرتے؟ یا اسے اندر آنے ہی کیوں دیا جاتا؟ اسی وقت بالے کو اتفاق سے ایک فوجہ پولیس کا آدمی نظر آیا۔ بالے نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا اور وہ نزدیک آ کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''کیا وہ بیرا سویلین ہے؟'' بالے نے بیرے کی طرف اشارہ کر کے آہستہ سے پوچھا۔

''نو سر، وہ فوجی ہے۔ آفیسرز میس سے تعلق رکھتا ہے۔'' فوجی پولیس کے آدمی نے

بتایا۔بالے کی نظر اب بار ٹنڈر پر جا پڑی۔

''اور وہ جو بار پر ہے؟''

''وہ اس کینٹین کا مالک ہے۔آج کے دن وہ خود یہاں آیا ہے، کیونکہ اس کے اسٹاف میں کسی کو اجازت نہیں دی گئی۔''فوجی پولیس مین نے بتایا

''مگر سویلین تو ہے وہ۔''

''اس کو سرکاری اجازت نامہ ملا ہے، کیونکہ اتفاق سے وہ ایک ریٹائرڈ فوجی کرنل ہے۔''ایم پی نے بتایا۔

''تمہاری معلومات کافی وسیع ہیں۔''بالے مسکرایا۔

''اور آپ خفیہ پولیس کے ان دو افسروں میں سے ایک ہوں گے، جنہیں اس یونٹ کے ساتھ بھیجا جا رہا ہے۔''وہ سرگوشی کے لہجے میں بولا۔بالے کا جواب ایک ادھوری مسکراہٹ تھا۔ایم پی ٹہلتا ہوا چلا گیا۔بیرے نے کافی لا کر رکھ دی اور بالے کسی سوچ میں بیٹھ کر چسکیاں لینے لگا۔اسے یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ ایک سارجنٹ ہاتھ میں بوتل لیے اس کی میز پر آ بیٹھا ہے۔

''اے بھائی۔''وہ خود بالے سے مخاطب ہوا۔''تم قون سی دنیا سے آئے ہو؟''

شاید اسے کافی نشہ چڑھ گیا تھا۔

''میں چاند کی دنیا سے آیا ہوں۔''بالے نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔

''کتنی دور ہے ہماری زمین سے؟''

''یہی کوئی دو چار میل۔''

''ناممکن، ہمارے سائنسداں تو کہتے ہیں تین لاکھ میل دور ہے۔''سارجنٹ نے چڑھی چڑھی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سائنسدانوں کو ہر چیز لمبی چوڑی نظر آتی ہے۔''

''اہاں، دیکھو نا، کہتے ہیں ایک ایٹم بم سارے شہر کو ختم کر دیتا ہے، بچ۔''اس نے ہچکی

لی۔

''تم زیادہ پی گئے ہو، سارجنٹ، جا کر آرام کرو۔'' بابے نے مشورہ دیا۔

''یہ لو، اس میں پینے نہ پینے کی کیا بات ہے، میں تو کہتا ہوں چاند اور ایٹم بم دونوں بکواس ہیں اور تم بھی بکواس ہو، ہچ۔''

لیکن اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا، کیونکہ دوسرے ہی لمحے اس کی دونوں بغلوں میں دو فوجی پولیس والوں کے ہاتھ تھے۔ انھوں نے اسے اٹھا کر کھڑا کر لیا۔

''مغز، میں نے کیا کیا ہے؟ ارے میں لمسارجنٹ ترلوکی سنگھ ہوں، ہچ۔ میں... میں تمھیں کورٹ مارشل کر دوں گا، تمھیں توپ سے اڑا دوں گا۔'' وہ ان کے ہاتھوں میں ٹنگ گیا اور دونوں پیر چلاتے ہوئے چیخنے لگا۔

شٹ اپ۔'' ان دو فوجی پولیس والوں میں سے ایک نے اسے ڈانٹا۔

''مم... میں سارجنٹ ہوں، سمجھے، ہچ۔ میں تمہارے خلاف ایکشن لوں گا۔''

مگر وہ اسے زبردستی گھسیٹ لے گئے اور بالے دیکھتا رہا۔ پھر وہ ہال میں موجود فوجیوں کے چہروں پر ان کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ سب ہی بے فکری سے ہنس رہے تھے، یا پھر اپنے مشغلوں میں کھو گئے تھے۔

ابھی بمشکل دو منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ باہر بھاری بوٹوں کی آواز سنائی دی اور کسی نے کینٹین کے بڑے دروازے کا پٹ جوتے کی ٹھوکر سے کھولا۔ وہ سب چونک پڑے اور

---

[1] نوٹ: انگریزوں کے جانے کے بعد ہندوستانی فوج سے کیونکہ کنگس کمیشن (Kngs Commission) ختم کر دیا گیا تھا، اس لیے سارجنٹ کا عہدہ بھی، جو سیکنڈ لفٹننٹ اور کنڈکٹر سے نیچے ہوتا تھا، ختم ہو گیا۔ مگر میں نے دانستہ سارجنٹ کا عہدہ اس لیے اس ناول میں استعمال کیا ہے کہ ہمارے فوجی نظام میں ہندوستانی کمیشن کے 'جمعدار' کا عہدہ اور نام دونوں کانوں کو اچھے نہیں لگتے۔

Akram Allahabadi

گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔اندر داخل ہوانے والا کرنل کرتار سنگھ تھا۔بھاری تن وتو ش کا ایک سکھ آفیسر،جس کی پگڑی پر ایک سرخ پٹی لوگی ہوئی تھی۔وہ غصے میں بھرا نظر آرہا تھا۔اس نے ایک نظر تمام فوجی افسروں پر ڈالی پھر ایک نظر بالے کو بھی دیکھا۔''آفیسرز کو ایسے موقعوں پر شراب نوشی کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔''وہ غصے میں بمشکل اتنا ہی بول سکا۔پھر اس نے کینٹین کے مالک کو مخاطب کر کے کہا۔

''آپ کینٹین بند کر دیجیے۔''پھر وہ ان سب کی طرف گھوما۔''آپ لوگ رنائرنگ پیرکس میں جایئے۔''یہ کہتا ہوا وہ بالے کو ایک نظر دیکھ کر باہر نکل گیا۔

فوجی آفیسرز نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر بولے بغیر اپنی بوتلیں وہیں چھوڑ کر خاموشی سے باہر جانے لگے،مگر ان میں ایک لمحہ ایسا بھی تھا جو سب کی چھوڑی ہوئی شراب کی بوتلیں حلق میں انڈیلتا جا رہا تھا۔

بالے اکیلا ہال میں رہ گیا۔تب اس نے ایک نظر ان چار فوجی پیروں اور کینٹین کے مالک کو دیکھا۔وہ اسی کو دیکھ رہے تھے۔بالے کے قدم دروازے کی طرف اٹھنے لگے۔اس کے پیچھے ہی چاروں پیرے بھی نکلنے لگے۔کینٹین کا مالک اپنے کو پن گن رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

باہر تاریکی تھی،لیکن کچھ فاصلے پر ایئر اسٹرپ کے کنارے زمین دوز بلب روشن تھے اور کنٹرول کی عمارت سے روشنی کی راڈر چاروں طرف گھوم رہی تھی جس سے یہ تاریکی ہر پانچ سیکنڈ بعد تیز روشنی سے جگمگا اٹھتی۔بالے چلتے چلتے رک گیا۔نہ جانے کیوں اس کا جی چاہا کہ کینٹین کے مالک کو چیک کرے۔پھر پشت سے کسی کے قدموں کی آہٹ پا کر وہ کینٹین سے منسلک عمارت کی دیوار کے تاریک گوشے میں کھسک گیا۔راڈر کی روشنی میں اچانک اسے وہی دکھائی دیا۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ایئر اسٹرپ کی طرف جا رہا تھا۔بالے نے چاہا ہی تھا کہ اس کے

پیچھے قدم بڑھائے کہ اچانک کوئی وزنی سی چیز پشت سے اس کی کھوپڑی پر پڑی اور اسے کسی گرتے ہوئے طیارے کی طرح ایک اسٹرپ کی روشنیاں دائرے پر دائرے بناتی نظر آنے لگیں۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

کرنل خان

اس کی جب آنکھ کھلی تو اسے اپنے بدن پر صرف ایک چڈھی نظر آئی ۔اسے ملٹری پولیس کے دو آدمی ایک اسٹریچر پر لیے ہیڈ کوارٹرز کی بیرک میں داخل ہو رہے تھے ۔اسے اپنے سر میں کسی چوٹ کی تکلیف بھی محسوس ہوئی اور اس نے جب سر کو ٹٹولا تو پشت کی سمت کھوپڑی پر ایک بڑا سا گومڑ اٹھ آیا تھا اور پھر اسے یاد آ گیا کہ اس پر کیا گزری تھی ۔اور جب وہ اسٹریچر سے اچھلا تو سامنے سپرنٹنڈنٹ خان اور کرنل سنگھ اور بریگیڈیئر سہگل کھڑے تھے اور ان کے درمیان ایک دوسرے اسٹریچر پر ایک لاش پڑی تھی ۔ایک گندمی رنگ کے اوسط ڈیل ڈول کے آدمی کی ۔ اور بالے یہ دیکھ کر حران رہ گیا کہ اس کے جسم پر بالے کے ہی کپڑے تھے ۔گولی اس کی پیٹھ پر لگی تھی ۔اسے اسٹریچر پر بھی اوندھا ہی لٹایا گیا تھا اور اسٹریچر سے اس کے دونوں ہاتھ نیچے کی طرف لٹک رہے تھے ۔بالے کی نظر جیسے ہی اس کے ایک ہاتھ پر پڑی، وہ اچھل پڑا۔

''یہ تو وہی ہے ۔''اس کے منہ سے نکلا۔

''کون؟''خان نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''کینٹین کا ایک بیرا۔اس کے ایک ہاتھ کی انگلی پر زخم کا یہ نشان میں نے وہیں دیکھا تھا۔''بالے نے کہا۔اور جب لاش کو سیدھا کیا گیا تو بالے شکل صاف پہچان نہ سکا۔

''مگر شکل تو...؟''بالے نے کہنا چاہا۔

''بیرے کی حیثیت میں وہ اپنی شکل میں تو نہ رہا ہوگا۔''خان نے بات کاٹ دی۔

''لیکن یہ مارا کیسے گیا؟''

''یہ تمہارے کپڑوں میں تمہارا MP بیج استعمال کر کے ممنوعہ حدوں میں داخل ہو گیا تھا۔ میں اگر بروقت نہ پہنچ جاتا تو خدا جانے کیا ارادہ تھا اس کا۔ میں نے تمہارا کوٹ پہنچانے

ہی اس کی ٹانگ پر گولی چلادی تھی، مگر جب یہ پلٹ کر بھاگا، تو کسی فوجی نے گولی ماردی اسے۔'' خان نے بتایا۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یہاں سرگرم عمل ہیں اور سیکرٹ سروس کی اطلاع صحیح ہے۔'' بریگیڈیئر نے بتایا۔

''یہ بات تو اب یقینی ہوچکی ہے۔'' خان نے جواب دیا۔ پھر وہ ہالے کی طرف گھوم پڑا۔

''تم اب ملٹری یونیفارم ہی پہن لو اور ہمیں گردوپیش سے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔'' خان نے اس سے کہا۔

''میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ بھی یونیفارم ہی استعمال کریں۔ آپ لوگ اس لباس میں تو سب کی نظروں میں رہیں گے۔'' بریگیڈیئر نے کہا۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔''

''مجھے کمیشن کا اختیار نہیں ہے، لیکن جنرل سری نزیش کے آنے کا وقت ہوگیا ہے، ان کے سامنے آپ لوگوں کی رینک کا مسئلہ بھی طے ہوجائے گا۔'' بریگیڈیئر نے کہا۔

''اس کی فکر نہ کیجیے، ہم سپاہیوں کی حیثیت سے بھی کام کرسکتے ہیں۔'' خان مسکرا کر بولا۔

''جی نہیں، اس طرح آپ کا کام مشکل ہوجائے گا، آپ ہر جگہ قدم بھی نہ رکھ سکیں گے۔'' بریگیڈیئر نے کہا۔

''خیر یہ بات مجھ پر چھوڑیے اور ظاہر ہے کہ جو کچھ کیا جارہا ہے، وہ محض ایک وقتی اور عارضی اقدام ہے۔'' اس نے کہا۔

بات یہیں تک ہوئی تھی کہ وہی کپتان جو کینٹین میں دیکھا گیا تھا، اندر آپہنچا۔ وہ بریگیڈیئر کے سامنے اٹینشن ہوگیا۔

Akram Allahabadi

''سر، آفیسرز میس میں سے تین بیرے ہی آئے تھے جو خانساماں بھی ہیں اور چوتھا بیرا جنرل نریش کا تھا جو ٹیم کے ساتھ ہی جانے والا تھا، مگر اس کا کہیں پتا نہیں چل رہا ہے۔''

''اوہ، تو اس کی جگہ اس کمبخت نے لے لی ہوگی۔'' بریگیڈیئر نے لاش کو گھور کر کہا۔

''اس کو تلاش کرایئے، ضرور اس کے ساتھ کچھ حادثہ ہوا ہے۔ ہم جنرل کو کیا جواب دیں گے۔'' بریگیڈیئر نے فکرمند لہجے میں کہا۔

''بہتر ہے۔'' کپتان نے یہ کہہ کر ایڑیاں بجائیں اور لوٹ گیا۔

''سن لیا آپ نے؟'' بریگیڈیئر خان سے مخاطب ہوا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ وہ کینٹین کے پیشاب خانے یا پھر باہر کہیں تاریک گوشے میں مردہ یا بیہوش پڑا ہوگا۔'' خان نے کہا۔

''کیا تب تک آپ بھی ایک بار اس کو تلاش کرنے کی زحمت گوارا کریں گے۔'' بریگیڈیئر بولا۔

''جاؤ، بالے، کپڑے پہن لو جلدی سے۔'' خان نے بالے سے کہا۔ ''میں کینٹین کی طرف چل رہا ہوں، تم کپڑے پہن کر آؤ۔'' یہ کہہ کر خان بھی چلا گیا۔

''میجر نے انتظام کر دیا ہے، کپڑے دوسرے کمرے میں موجود ہیں۔'' بریگیڈیئر نے بالے سے کہا اور اپنے آفس میں چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

جنرل کے بیرے کی لاش اسٹاف ڈبلوسی میں ملی۔ اس کے بدن پر صرف ایک بنیان اور ایک چڈھی تھی۔ اسٹاف ڈبلوسی کا دروازہ باہر سے مقفل تھا۔ اسے یقیناً باہر سے دیوار کے اوپر سے اندر پھینکا گیا ہوگا۔ اسے گلا گھونٹ کر مارا گیا تھا۔

رات کو تقریباً ڈھائی بجے ہر ایک مستعد نظر آنے لگا۔ تمام آفیسرز باہر نکل آئے،

کیونکہ جنرل آپہنچا تھا۔وہ سلیٹی رنگ کی لمبی شیورلیٹ کار میں تھا جس کے بانٹ پر جنوبی کمان کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔فوجیوں نے دوطرفہ قطاروں میں کھڑے ہوکر اسے سلامی دی۔جنرل گورے رنگ کا طاقتور دراز قد آدمی تھا۔کنپٹیوں کے بال سفید تھے،جس سے اس کے معمر ہونے کا پتا چلتا تھا۔مگر چہرے پر تازگی اور وجاہت نمایاں تھی۔جنرل نے بریگیڈیئر کو بھی اپنے ساتھ کار میں لے لیا اور پورے علاقے کا کار میں ہی ایک چکر مار کر وہ ہیڈ کوارٹر زکی عمارت پر آ کر رک گئے۔

''انتظام تو سب ٹھیک ہے۔''جنرل نے کہا۔

''جی ہاں،مگر...''بریگیڈیئر یہ کہتے کہتے رک گیا۔

''مگر کیا؟''جنرل چونکا۔

''اندر تشریف لے چلیے،ابھی بتاتا ہوں۔''بریگیڈیئر نے آہستہ سے کہا۔پیچھے سے خان بھی آپہنچا تھا۔جنرل کے اندر جانے کے بعد بریگیڈیئر نے خان کو بھی بلوالیا۔وہ اس عرصے میں جنرل کو سارا واقعہ بتا چکا تھا۔

''خان صاحب۔''جنرل بڑے پر اخلاق لہجے میں بولا۔''یہ صرف ہمارے فوجی وقار کا ہی سوال نہیں،بلکہ ہمارے ملک کی سلامتی کا بھی اس پر بڑی حد تک دار و مدار ہے۔'' جنرل نے سمجھانے والے لہجے میں کہا۔

''میں جانتا ہوں۔''خان نے مختصراً جواب دیا۔

''ہمیں تعجب ہے کہ اس قدر رازداری کے باوجود کس طرح دشمن ہمارے پیچھے لگ گئے۔''وہ سوچتے ہوئے انداز میں بولا۔

''انھیں بھی یقیناً ہماری فکر ہونی چاہیے جس طرح ہمیں ان کی فکر ہے۔''خان نے کہا۔

''یہ ہمارا نقطۂ نظر ہے،مگر جو ہمارا برا چاہتا ہے،وہ بھی سوچتا ہوگا کہ کہیں ہم لوہے کے چنے نہ ثابت ہوں۔کسی پر حملہ کرنے سے پہلے ہر عقلمند اس کی طاقت کا بھی اندازہ لگا لیا کرتا

ہے۔''

''ہم۔''جنرل نے خان کو گھورتے ہوئے کہا۔''میں آپ کو اس مشن کیلیے کرنل کا آنریری رینک اور آپ کے اسسٹنٹ کو لفٹنٹ کا آنریری رینک دیتا ہوں تا کہ آپ با اختیار طور پر آسانی سے کام کر سکیں۔''جنرل نے کہا۔

''بہتر ہے۔''خان نے جواب دیا۔''ویسے ہم کوشش کریں گے کہ ان اختیارات کو کم سے کم استعمال کریں۔''

''میں سمجھا نہیں آپ کا مطلب؟''

''ہمارا ایک کوڈ ہے اور وہ یہ ہے ایک سپاہی اپنی ڈیوٹی پر ایک جنرل سے زیادہ ذمے دار ہوتا ہے۔''خان نے مسکرا کر کہا۔

''اوہ، قطعی، مگر بھئی یہ بھی تو فرض شناسی کا ہی ایک امتحان ہے۔''

''میری طرف سے آپ کوئی کمی نہ پائیں گے۔''خان نے یقین دلایا۔

''اگر یہ اطمینان ہمیں نہ ہوتا تو پھر آپ کو تکلیف ہی کیوں دی جاتی۔''جنرل نے کہا۔

''کیا سائنسدانوں کی ٹیم کو ایٹم بردار طیاروں کے حصوں میں جانے کی اجازت ہے؟''خان نے پوچھا۔

''یقیناً، بلکہ تجربے میں فوجی سائنسدانوں کی طرح ان کا بھی تعاون مثالی ہے۔''جنرل نے بتایا۔

''بہتر ہے، لیکن اگر کوئی اعلیٰ اختیاری معاملہ درپیش ہو تو؟''

''تو آپ مجھ سے وائرلیس پر بھی کنٹکٹ کر سکتے ہیں۔''جنرل بولا۔

''شکریہ، اب مجھے اجازت دیجیے۔''خان اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے سویلین انداز میں جنرل کو سلام کرنا چاہا، مگر جنرل نے اسے ٹوک دیا۔

Akram Allahabadi

''اب آپ فوجی کرنل ہیں۔''

''آئی ایم ساری سر۔''خان اٹینشن ہوگیا۔

☆☆☆☆☆☆

''کرنل خان اور لفٹنٹ بالے، یعنی دونوں کو ملا کر لفٹنٹ کرنل بالے خان ہوئے۔''

''تم ان طیاروں کے آس پاس ہی رہو گے۔ یہ واضح رہے کہ صبح سے پہلے ان طیاروں میں کسی کو داخل ہونے کی بھی اجازت نہیں ہے۔''خان نے بالے کو بتایا۔

''ان فوجیوں میں کسی مشتبہ فرد کو چیک کرنا ہمارے لیے کتنا مشکل ہے۔''

''تم ان کی فکر نہ کرو، ان کے آفیسرز انھیں ہر گھنٹے چیک کرتے ہیں، تم صرف اپنی آنکھیں کھلی رکھو۔''

''تو چشمہ کہاں لگا رکھا ہے میں نے۔''

''جاؤ، یہ بکواس کا وقت نہیں ہے۔''

''آئی آئی سر۔''بالے نے سلیوٹ کیلیے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

''یہ نیوی کا لیس سر ہے، لینڈ فورس کا نہیں۔''

یہ کہہ کر خان بالے کو وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔اس کا رخ سائنسدانوں کی قیام گاہ کی طرف تھا۔وہ پانچ سائنسداں تھے۔ان کی کاریں باہر کھڑی تھیں۔ان کے اسسٹنٹ بھی ساتھ آئے تھے، جن کے بارے میں انھوں نے خود تصدیق کی تھی کہ وہ ان کے وفادار اور بھروسے کے پرانے آدمی ہیں۔وہ سب ایک بڑے کمرے میں جمع تھے جہاں صوفوں پر بیٹھے ہوئے دو تو سو گئے تھے، باقی آپس گفتگو کر رہے تھے۔خان ان میں سے ڈاکٹر شنکرن، ڈاکٹر بوس اور پروفیسر چکرورتی کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔باقی دو اس کیلیے انجانے تھے۔وہ دہلی سے آئے تھے۔ان میں سے ایک تو حیدرآباد سے آیا تھا اور اس کا نام محسن زیدی تھا اور دوسرا گھورکھپور کا

رام داس اگروال تھا۔ یہ نام بھی خان کیلیے نئے تھے اور ان کے چہرے بھی۔ خان بڑی دیر تک باہر ہی کھڑا کھڑکی کے شیشے سے اندر کا منظر دیکھتا رہا، مگر اچانک اس کی توجہ اس ہال سے منسلک کمرے کی کھڑکی کے شیشے پر نظر آنے والے ایک عکس پر منعطف ہوگئی۔ وہ پنجوں کے بل چل کر اس کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ اندر بہت مدھم سی روشنی ہو رہی تھی اور ضرور کوئی وہاں چھپ کر ہال میں موجود لوگوں کی باتیں سن رہا تھا۔ خان اس کھڑکی کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا عقبی سمت نکل آیا۔ یہاں اسے ایک بند دروازہ نظر آیا جسے چھوتے ہی اسے معلوم ہوگیا کہ وہ بند نہیں ہے، صرف بھیڑ کر رکھا گیا ہے۔ اس نے ریوالور ہاتھ میں لے لیا اور دروازے کو ایک دم کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ اندر موجود سایہ اسے دیکھ کر فوراً پلٹ پڑا۔

''خبردار جو بھاگنے کی جرأت کی۔'' خان نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

''تم کون ہو؟'' اس سائے نے مترنم، مگر غصیلے لہجے میں سوال کیا۔ اور اس وقت خان کو معلوم ہوا کہ وہ کوئی مرد نہیں، ایک لڑکی ہے، جو مردانہ لباس میں ہے۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہوں؟'' خان نے قریب پہنچتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔ اور جب اس کی نظر خان کے کندھے کے بیج پر پڑی تو وہ اٹینشن ہوگئی۔

''سر، میں... میں ایک کارپورل ہوں۔''

''وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں، مگر یہاں اس طرح کیوں چھپی ہوئی تھیں؟''

''مم... میں ان کی باتیں سن رہی تھی۔'' وہ اپنے گلاب کے پنکھڑیوں جیسے ہلکے گلابی پتلے، مگر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

''کارپورل، یہ قابلِ اطمینان وضاحت نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ آؤ۔''

خان نے اسے باہر چلنے کا اشارہ کیا اور وہ بے چوں وچرا ساتھ ہولی۔ لیکن ابھی وہ اس پچھلے دروازے سے نکل ہی رہے تھے کہ انھیں ایک سایہ نظر آیا جو بڑی تیزی سے عمارت

کے دوسری سمت دیوار کی آڑ میں گھوم گیا۔ایک لمحے کیلیے خان تذبذب میں پڑ گیا کہ وہ ان میں سے کس پر توجہ کرے، لیکن پھر اس لڑکی کو یہ ہدایت کر کے وہ اس کی واپسی تک یہیں موجود رہے۔دیوار کی آڑ لیتا ہوا اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔اس کا اندازہ صحیح نکلا۔وہ سایہ یقیناً اس کھلی کھڑکی سے کود کر ہی اس طرف بھاگا تھا، جو سائنسدانوں کی آرام گاہ کے عقبی حصے میں تھی۔وہ اس سائے کے پیچھے دوڑتا چلا گیا، مگر ٹھیک اسی وقت ان کے درمیان ایک کار آ گئی، جس میں میجر سعید سوار تھا۔یہ وہی میجر تھا جس نے بریگیڈیئر سے اس کا تعارف کرایا۔

''کیا بات ہے، کرنل، سر؟''اس نے پہلے بے تکلفی سے، پھر چونک کر ادب سے پوچھا، جیسے اسے خان کا رینک یاد آ گیا ہو۔

''آیے، میں ایک سائے کا تعاقب کر رہا ہوں۔''خان یہ کہتا ہوا بڑھتا چلا گیا۔میجر بھی اپنے اسسٹنٹ سمیت کار سے اتر آیا اور وہ خان کے پیچھے دوڑنے لگے۔ان کے سامنے اس وقت گراؤنڈ کنٹرول کی عمارت تھی۔

''آپ دونوں ان دو سمتوں سے جایے، میں ادھر سامنے سے جاتا ہوں۔''خان نے رک کر میجر سے کہا، لیکن بعد میں وہ تینوں ایک ایسی جگہ آ کر ٹکرائے جہاں ان کے سامنے ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔یہ ایک فوجی ٹرک ڈرائیور تھا۔وہ ختم ہو چکا تھا، مگر ٹارچ کی روشنی میں اس کا معائنہ کرنے کے بعد انھیں اس کے جسم کے کسی حصے پر چوٹ یا زخم کا نشانات نظر نہیں آئے۔

''کیا یہی...؟''میجر نے پوچھا۔

''ہو سکتا ہے یہی رہا ہو۔اس کی تلاشی لیجیے۔''یہ کہہ کر وہ خود بھی جھک گیا۔لاش کی تلاشی لینے کے پر انھیں اور کچھ تو نہ ملا، لیکن اس کی جیب میں ماچس کی ایک سلائی پر لپٹی ہوئی ایک باریک سے مومی کاغذ کی پٹی ملی اور نچلی جیب میں ایک سوئی کا خول۔

''اوہ۔''خان اسے دیکھ کر چونک پڑا۔''اس کے جسم کے کسی بھی حصے میں ایک سوئی

پیوست ہوگی۔'' وہ بولا۔ ''میجر، اسے کسی محفوظ جگہ لے چلیے۔''

خان کے یہ کہنے پر ان دونوں نے لاش کو اٹھالیا۔ خود خان نے بھی ہاتھ بٹایا۔

مرنے والے کے چہرے کے نقوش کچھ پہاڑیوں جیسے تھے۔ بیرک میں لاکر جب لاش کو غور سے دیکھا گیا تو خان کا اندازہ صحیح نکلا۔ ان کے ہاتھ میں کہنی کے اندرونی جوڑ کی ایک نس میں وہ چھوٹی سی سوئی گھسی ہوئی تھی جو شرٹ کے کپڑے سے ہو کر گزری تھی، اس لیے نظر نہ آسکی تھی۔ بریگیڈیئر سہگل بھی اطلاع پا کر آپہنچا تھا۔

''کیا اس سوئی سے اس کی موت واقع ہوئی ہے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''اس نے خودکشی کی ہے، شاید پکڑے جانے کے ڈر سے۔ یہ سوئی پوٹاسیم سائنائڈ کے محلول میں بجھی ہوئی ہے۔'' خان نے بتایا۔

''یہ کون ہوسکتا ہے؟'' بریگیڈیئر نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ ٹیپ آپ کے سوال کا جواب دے سکتا ہے، لیکن اس کا انکشاف کرنا اس وقت خطرے سے خالی نہ ہوگا۔'' خان نے سلائی پر لپٹے ہوئے ٹیپ کو اس کے حوالے کردیا۔

بریگیڈیئر نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا، مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا۔

''یہ تو سادہ ہے؟''

''آپ اسے تاریکی میں دیکھیے۔'' خان نے کہا۔ کمرے کی روشنی فوراً بجھادی گئی۔

بریگیڈیئر نے ٹیپ کو پھیلا کر دیکھا اور چونک پڑا۔

''کیا آپ اس زبان سے واقف ہیں؟''

''میں اسے پڑھ سکتا ہوں، مگر بول نہیں سکتا۔'' خان نے کہا۔

''کیا لکھا ہے اس میں؟''

''اور کچھ نہیں ہوسکتا تو کنٹرول سسٹم خراب کردو۔''

''میں اسے جنرل کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ حفاظتی اقدامات اب سے اور زیادہ

سخت کرنے ہوں گے۔" بریگیڈیئر نے کہا۔ "روشنی آ کر دیکھیے۔"

لیکن میجر نے جیسے ہی لائٹ آن کی، وہ سب حیرت سے چونک پڑے۔ وہ لاش غائب تھی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

نامعلوم سفر

اس کے بعد خان نے اس لڑکی کو پورے علاقے میں تلاش کر ڈالا، مگر وہ نہیں ملی۔ اس نے بالے کو بھی ہدایت کر دی کہ اس قسم کی اور اس حلیے کی لڑکی کی تلاش کو مدِ نظر رکھے۔

''مل تو جائے پھر میں اسے مدِ نظر رکھوں گا۔'' بالے کا جواب تھا۔

''بک چلے پھر۔''

''اگر وہ اتنی حسین ہے تو واقعی میں بک چلا۔''

''بالے۔''

''یس کرنل، سر۔''

''ڈیوٹی۔''

''حوا کی بیٹیوں کیلیے آدم کے بیٹوں کو بھی کچھ ڈیوٹی ہوا کرتی ہے۔''

''شٹ اپ۔''

''ہائے ہائے سر۔ آئی ایم ساری، آئی آئی سر، نو، او کے سر۔''

خان اسے گھورتا چلا گیا، مگر بالے کے تخیل میں اس حسین لڑکی کا حسین چہرہ ناچنے لگا جس کی تلاش مدِ نظر رکھنے کی خان نے اسے ہدایت کی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

پو پھٹنے کے ساتھ تمام حفاظتی انتظامات روشنی میں آ گئے۔ پوری یونٹ تیار کھڑی تھی اور جنرل خود معائنہ کر رہا تھا۔ خان اور بالے کو بھی اپنی وردی اور رینک کے اعتبار سے آفیسرز کی قطار میں کھڑا ہونا پڑا۔ جنرل انھیں دیکھ کر مسکرا دیا۔

Akram Allahabadi

''آپ پر یہ ڈسپلن گراں تو نہیں گزر رہا؟''اس نے خان کے قریب سے گزرتے ہوئے پوچھا۔

''میں تو ماحول کی اس وقتی تبدیلی کو خوشگوار سمجھتا ہوں۔''خان نے جواب میں کہا۔

''جنرل ہمر۔''بالے نے اسے مخاطب کیا۔

''یس لفٹنٹ۔''جنرل نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

''سینئیر آفیسرز کو سلام کرتے کرتے میرے ہاتھ درد کرنے لگے ہیں۔''بالے احتجاجی لہجے میں بولا۔

''ساری لفٹنٹ، ڈسپلن از ڈسپلن۔اور پھر خاصی ورزش بھی ہو گئی ہو گی۔''جنرل یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔خان نے بالے کو گھور کر دیکھا اور بالے بجائے کچھ کہنے کے اٹینشن ہو کر اسے سلیوٹ کرنے لگا۔

ٹھیک ۴ بج کر ۲۵ منٹ پر فضائی اڈے سے دو جٹ اسکورٹنگ (ہراول) طیارے روانہ کر دیے گئے، جن میں خود بریگیڈیئر سہگل اور پانچ سائنسداں بھی اپنے ٹائپین کے ساتھ سفر کر رہے تھے اور ان کے بعد وہ دو ایٹم بم بردار طیارے روانہ ہوئے۔ان کے پیچھے جنرل ایک طیارے میں اپنے ڈپٹی چیف آف اسٹاف کے ساتھ روانہ ہوا اور پھر تین بڑے طیارے اور جن میں فوجی افسر اور یونٹ کے افراد تھے۔خان اور بالے کو اس نگراں طیارے میں سفر کرنا پڑا، جسے ایک فضائیہ کا افسر خود چلا رہا تھا۔ان کی منزل کو اس وقت بھی صیغۂ راز میں رکھ گیا تھا۔

۷ بج کر ۸ منٹ پر ہوائی اڈہ اس طرح صاف اور خالی ہو گیا جیسے یہاں کوئی غیر معمولی بات ہی نہ ہوئی ہو۔سویلین اسٹاف کو اندر آنے کی اجازت دے دی گئی، لیکن یہ کسی کو پتا نہ چل سکا کہ اس سے پہلے کیا ہوا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ٹھیک ساڑھے ۳ بجے سہ پہر کو ان کے طیارے نیچے اترنے لگے۔ ابھی تک انھوں نے سمندر پر ہی پرواز کی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کا جھکاؤ کسی جزیرے کی طرف تھا اور یہ حقیقت بھی تھی۔ کیونکہ سپرنٹنڈنٹ خان کو دوربین سے وہ جزیرہ نظر آرہا جو بیکراں سمندر کی گہری وسعتوں کے درمیان اوپر سے ایک نقطۂ سیاہ معلوم ہوتا تھا اور بتدریج یہ سیاہی کا دھبہ پھیلتا چلا گیا۔

پھر ان کے طیارے اس جزیرے کے اوپر منڈلانے لگے۔ خان نے سنا وائرلیس پر پائلٹ آفیسر لینڈنگ کے کوڈ نشر کر رہا تھا جس سے یہ واضح ہوتا تھا کہ یہ جزیرہ کسی خفیہ فضائی اڈے کی حیثیت رکھتا ہے۔

پھر انھیں ہراول طیارے فضا میں پرواز کرتے اور عقبی فوجی طیارے یکے بعد دیگرے اس جزیرے پر اترتے نظر آئے۔ انھیں بھی قریب جانے پر گھنے درختوں کے درمیان جزیرے کے درمیان جزیرے کے بیچ میں ایئر اسٹرپ نظر آنے لگی، جہاں کنٹرول کی عمارت پر فضائی سگنل نظر آرہا تھا۔ فوجی طیاروں کے اترنے کے بعد وہ دونوں جٹ طیارے اترے اور ان کے بعد خان والے طیارے کے پائلٹ کو لینڈنگ کی ہدایت گراؤنڈ سے موصول ہوئیں۔

ایئر اسٹرپ بڑی ہوتی گئی اور انھیں دائیں بائیں کچھ گھنے جنگل کا حصہ چھوڑ کر فوجی بیرکیں، رسدگاہیں اور دوسرے طرز کی عمارتیں نظر آنے لگیں۔ خان بحرہند کے نقشے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا، لیکن اسے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ یہ کونسا جزیرہ ہے۔

کچھ دیر بعد ان کا بھی طیارہ زمین پر تھا اور ہر طرف انھیں فوجی وردیاں ہی نظر آئیں۔ وہ ابھی طیارے سے اتر کر آرام گاہ کی ایک منزلہ عمارت کے ہال میں آئے ہی تھے کہ ایک فوجی آفیسر آپہنچا۔ خان کو سلام کرنے کے بعد اس نے خبر دی کہ جنرل نے انھیں طلب کیا ہے۔

Akram Allahabadi

باہر ایک فوجی ڈاج اسٹاف کار موجود تھی۔ وہ اس میں جا بیٹھے۔ کار ہوائی اڈے سے نکل کر ایک اونچائی کی طرف جانے والی پختہ سڑک پر گھوم گئی۔ یہ سڑک زیادہ چوڑی نہ تھی، مگر دو طرفہ قطاروں میں کھڑے تن آور درختوں نے اسے اس طرح اوپر سے ڈھک رکھا تھا کہ اگر آسمان پر پرواز کرتے ہوئے اسے تلاش بھی کیا جائے تو نظر نہ آ سکے۔ ایک بلند ٹیلے پر پہنچ کر یہ سڑک پھر ڈھلوان پر ہوتی ہوئی ایک وادی میں اتر گئی تھی۔ یہاں انھیں گول چھتوں والے بڑے بڑے فوجی اسٹورز نظر آئے جن کے باہر مسلح فوجی پہرہ دے رہے تھے۔ ان میں کچھ کام بھی ہو رہا تھا۔ آگے جا کر ایک پھاٹک سے سڑک کو روک دیا گیا تھا اور پھاٹک کے باہر دو کھمبوں پر ٹکا ایک لمبا سا بورڈ لگا ہوا تھا جس پر موٹے موٹے حروف میں پینٹ کیا ہوا تھا، I.A.S.S.B.۔

''آفیسر، اس کا مطلب انڈین آرمی سدرن سی بیس ہوا نا؟'' خان نے کار چلانے والے آفیسر سے جو لفٹننٹ کے رینک کا تھا سوال کیا۔

''نو سر۔ اٹ از سیکرٹ سی بیس۔'' آفیسر نے جواب دیا۔

''اوہ، مگر اسے تو نیوی کی کمان میں ہونا چاہیے تھا۔'' خان نے کہا۔

''نو سر۔ یہ خاص طور پر نکلیئر فورس کیلیے ہے۔'' وہ بولا۔

''تب ٹھیک ہے۔'' خان یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

مگر بالے کو اس ماحول میں ایک عجیب سی وحشت محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے باوجود کہ وہ مہمات پسند طبیعت رکھتا تھا، اسے اس سرسبز و شاداب جزیرے پر جس چیز کی کمی شدت سے ناگوار گزر رہی تھی وہ یہ کہ کسی بنتِ حوا کا وجود اس سرزمین پر ابھی تک سونگھنے میں نہ آیا تھا۔

''آفیسر، کیا یہ جزیرہ آباد ہے؟'' بالے نے اس سے سوال کیا۔

''یہاں کچھ پرانی نسل کے قبائل آباد ہیں جو ان پہاڑوں کے دوسری سمت ہیں۔ دراصل ان سے ہمارا اس قسم کا معاہدہ ہے کہ نہ اس طرف کا کوئی آدمی یہاں پہاڑوں کے اس

طرف آتا ہے، نہ ہمارا کوئی آدمی اس طرف جا سکتا ہے۔اس کے علاوہ وہ کسی کو جزیرے کی اپنی سمت کے ساحل پر قدم بھی نہیں رکھنے دیں گے۔اس قسم کی حفاظت کیلیے انھیں معقول معاوضہ دیا جاتا ہے۔''لفٹ نے بتایا۔

''آپ یہاں کے مستقل اسٹاف میں ہیں؟''

''جی ہاں۔میں اس بیس کی تعمیر کے وقت سے یہیں ہوں۔''

''اس جزیرے میں صرف مرد ہی مرد ہوتے ہیں یا جنسِ لطیف کا بھی گزر ہے؟'' بالے نے سرد آہ کھینچ کر کہا۔

''قانونِ قدرت کے مطابق تو ہونا ہی چاہیے۔'' آفیسر مسکرا دیا۔

''قانونِ قدرت کے مطابق تو ہم بھی آج لفٹنٹ نظر آ رہے ہیں۔''بالے نے سرد آہ کھینچ کر کہا۔

''شکر ہے کہ خاکروب نہ ہوئے۔''خان نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''شاید اسے بھی چین کی روٹی ملتی ہو گی۔''

''تمہارے ذمے بھی وہی فرائض سونپے جا سکتے ہیں۔میں جنرل سے سفارش بھی کر سکتا ہوں۔''

''کان پکڑے۔''

ان کی کار اس گیٹ پر رک گئی۔یہاں فوجی محافظ موجود تھے جنھوں نے فوراً پھاٹک کھول دیا۔سڑک اندر گھوم کر ایک چاروں طرف سے فوجی بیرکوں سے گھرے ہوئے میدان میں پہنچ گئی، جہاں درمیان میں پھولوں کی کیاریاں لگی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان چوڑی چوڑی روشیں تھیں۔ایک بڑی بیرک کے سامنے چبوترے پر ایک لمبے ستون میں وہ جھنڈے اوپر نیچے لگے لہرا رہے تھے۔ایک ہندوستان کا قومی پرچم تر نگا تھا اور دوسرا انگلیئر کمان کا فوجی پرچم۔اس بیرک کے برآمدے کے ہر ستون کے پاس ایک مسلح فوجی کھڑا تھا۔لفٹنٹ نے کار

بیرک کے بڑے دروازے کی سیڑھیوں کے سامنے روش پر روک دی۔

''جنرل آفس۔''اس نے سامنے اشارہ کر کے بتایا۔خان اور بالے دونوں اتر گئے اور لفٹ کار آگے بڑھا لے گیا۔خان کے کندھے پر کرنل کے بیج دیکھ کر فوجی اٹینشن ہو گئے۔ ہاتھ کے اشارے سے وہ ان کے سلیوٹ کا جواب دیتا ہوا دروازے میں داخل ہو گیا، مگر اندر قدم رکھتے ہی بالے کی آنکھیں چندھیا گئیں۔کمرے میں سامنے میز پر ایک فوجی ٹائپسٹ بیٹھی تھی۔وہ اس فوجی وردی میں بلا کی پرکشش نظر آ رہی تھی۔نقوش ہندوستانی ہی تھے، مگر رنگ کھلا ہوا تھا۔

وہ خان کو دیکھ کر مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔پاس ہی ماسٹر فون رکھا تھا۔اس نے اس کا ایک بٹن دبایا۔

''جنرل سر، کرنل خان ہیئر۔''وہ اپنی سریلی آواز میں بولی۔

''ویل، وہاٹ از ہی ویٹنگ فار۔''جنرل کی موٹی آواز سنائی دی۔

''کرنل، پلیز۔''لڑکی نے خان کو جنرل کے دروازے کا راستہ دکھایا۔بالے بھی خان کے پیچھے ہی اندر داخل ہونے ہی والا تھا کہ لڑکی کے نرم و نازک ہاتھ نے اس کا راستہ روک دیا۔

''نو، لفٹنٹ، صرف کرنل۔''

بالے جھینپ سا گیا اور خان مسکرا کر دونوں پر ایک نظر ڈالتا ہوا اندر چلا گیا۔بالے کو باہر ہی ٹھہرنا پڑا۔

''مس...''اس نے زبردستی اس سے مخاطب ہونے کی کوشش کی۔

''لیزلی تھامس۔''لڑکی نے خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ اپنا نام بتایا۔

''مس لیزلی، آپ کو کس طرح علم ہوا کہ وہ کرنل خان ہی ہیں؟''بالے نے سوال کیا۔

''اوہ، کرنل تو وہ نظر ہی آ رہے تھے اور کیونکہ جنرل نے کرنل خان کو ہی طلب کیا تھا، اس لیے ظاہر ہے کہ لفٹنٹ بالے نہیں ہو سکتے۔''

''یعنی میرا بھی نام معلوم ہے آپ کو۔''

''تمام آفیسرز کو اطلاع کیلیے یہ دو نام معلوم ہو چکے ہیں اور پھر کرنل خان کے ساتھ اور کون ہو سکتا تھا۔''

''آپ عورتوں کی عقل مند کلاس سے معلوم ہوتی ہیں۔''

''شکریہ۔'' وہ چمکتی آنکھوں سے مسکرائی۔

''کم از کم میری ایک سب سے بڑی الجھن تو دور ہو گئی۔'' بالے جیسے خود سے بولا۔

''وہ کیا؟'' لیزلی نے پوچھا۔

''دراصل میں اس دنیا میں رہ نہیں سکتا جس میں جنسِ لطیف کا وجود نہ ہو۔'' بالے نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

''منہ پھٹ ہونا تو بری بات نہیں، لیکن ہم فوجی ہیں، یہ مدِ نظر رہنا چاہیے۔''

''مدِ نظر تو آپ ہی ہیں، رہی فوج تو وہ تو بعد کی چیز ہے۔''

''کیا آپ کرسی پر بیٹھنا پسند کریں گے، شاید جنرل دیر تک کرنل سے گفتگو کریں۔''

''اور میرے پیر دکھ جائیں۔''

''یہ بات تو نہیں، لیکن بعد میں آپ مجھے بداخلاق نہ کہیں۔''

''مس لیزلی، کیوں نہ تب تک ہم یہاں فاکس ٹراٹ ناچیں۔''

''پلیز، لفٹنٹ۔'' لیزلی نے اسے ذرا محتاط رہنے کی تنبیہہ کی۔

''لیکن اس دل کو کیا کروں جو آپ کی طرف کھنچا جا رہا ہے۔'' بالے اور قریب آ گیا۔

''لفٹنٹ۔'' وہ اسے سادہ نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔

Akram Allahabadi

''کسی کے پرکشش حسن کی تعریف کرنا کوئی گناہ تو نہیں ہے۔''

''شکریہ، لیکن میں یہاں کچھ فرائض انجام دینے آئی ہوں۔''

''تقاضائے فطرت کے مطابق زندہ رہنا بھی ایک فرض ہے۔''

''آپ بڑے دیدہ دلیر ہیں۔'' وہ پھر مسکرادی۔

لیکن اس سے پہلے کہ بالے کچھ اور کہے اس نے پیچھے کھونٹی پر ٹنگا ہوا اپنا بش کوٹ اٹھا کر پہن لیا اور بالے کا ہاتھ ماتھے سے جالگا۔ اسے اٹینشن ہو جانا پڑا۔

''ایکسکیوزمی میجر، سر۔''

''جاؤ، جسٹ بی اے لفٹنٹ۔'' وہ یہ کہہ کر پھر اپنی جگہ بیٹھ گئی۔

''کاش میں بھی ایک عدد کرنل ہوتا۔''

''کیوں؟ تو کیا ہوتا؟''

''تو میں سلام کرنے والے نازک ہاتھوں کو چوم کر کہتا

''دستِ نازک سے نہ بندوق اٹھاؤ میجر

ورنہ ہو جائیں گے دو چار سو بریگیڈیئر شہید''

''تم کافی شریر ہو، لفٹنٹ۔''

''اب تو ڈسپلن کا پابند ہو چکا ہوں۔''

اتنے میں جنرل نے ماسٹر فون پر اندر سے اسے بلایا اور وہ ایک فائل لے کر اندر چلی گئی۔ بالے میز پر انگلیوں سے بینڈ بجانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ باہر نکلی تو اس کے ساتھ خان بھی تھا۔ وہ ہنس ہنس کر خان سے گفتگو کر رہی تھی۔ اور خان بھی کافی بے تکلفی سے اس سے گفتگو کر رہا تھا۔ نہ جانے کیوں یہ بات بالے کو بھلی نہ لگی۔

''کم آن لفٹنٹ۔'' خان نے لیزلی سے رخصت لے کر بالے کی طرف مخاطب

ہو کر کہا۔

بالے نے ایک نظر لیزلی پر ڈالی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ بالے کا منہ اور بن گیا۔

''اوہ، ہیلو کرنل۔'' لیزلی نے خان کو پھر پیچھے سے مخاطب کیا۔ خان رک گیا۔

''کیا شام کی چائے پر آپ سے ملاقات ہوگی میس میں؟''

''کیوں نہیں، ضرور، ضرور۔'' خان نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں کہا اور باہر نکل گیا۔ بالے بھی اس کے پیچھے جانے لگا۔

''لفٹنٹ۔'' لیزلی نے اسے مخاطب کیا۔ وہ رک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''ڈسپلن پلیز۔'' وہ اسے اور مشتعل کرنے والے انداز میں مسکرا دی۔

''او کے، میجر ہسر۔'' بالے کو اٹینشن ہو کر سلام کرنا پڑا۔

باہر خان اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''بڑے خوش نظر آ رہے ہیں آپ؟'' بالے نے جلے ہوئے انداز میں اسے ٹوکا۔

''شاید۔'' خان معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

''میجر لیزلی کافی حسین لڑکی ہے۔''

''اس میں کیا شک ہے۔''

''بے تکلف بھی تو ہو گئی ہے آپ سے۔''

''اس میں تو کوئی شک نہیں۔''

''بعض لڑکیوں کی کھوپڑی اوندھی ہوا کرتی ہے۔''

''کیوں؟''

''انگور چھوڑ کر کشمش چبانے لگتی ہیں۔''

''کشمش ہمیشہ کشمش رہتی ہے، انگور ضرور سڑ جاتے ہیں۔''

Akram Allahabadi

''اس لیے تو کہا ہے کسی نے کہ بوڑھی گھوڑی لال لگام۔''

''مگر لیز لی تو بوڑھی نہیں۔''

''میں اس کے انتخاب کا ذکر کر رہا ہوں۔یعنی ایک کرنل جو پچاس سیڑھیاں چڑھ چکا ہے۔''

''تو تم کیا سیڑھیاں اتر رہے ہو۔''

''لاحول ولاقوۃ۔یعنی سوال گندم، جواب چنا۔''

''جیسا سوال، ویسا جواب۔''

''تو یعنی واقعی آپ مرمٹے ہیں اس پر؟''

''میں نے یہ کب کہا؟''

''برہمچاری لوگ لڑکیوں سے اپائنٹمنٹ نہیں لیا کرتے۔''

''لڑکی کہاں، وہ تو میجر ہے۔''

''اچھی بات ہے، میں بتادوں گا اسے کہ وہ جس گرو کے پیچھے دوڑ رہی ہے وہ قافلہ تو کب کا لٹ چکا ہے۔''

''اور۔''

''اور یہ کہ کرنل صاحب پاؤ درجن کرنیلیوں کے سرپرست اور ایک درجن نتائج کے باپ ہیں۔''

''کہہ دیکھو۔''

''اور یہ بھی کہہ دوں گا کہ وہ تمام کی تمام پاپوش بدست رہا کرتی ہیں۔''

''اور۔''

''اور یہ کہ باسی خوراک بدہضمی کا سبب بنتی ہے۔''

''اور۔''

Akram Allahabadi

''اور میرا سر۔''

''اچھا تو شام کی چائے پر تم ہی مل لینا اس سے۔''

''مم...میں...وہ کیوں؟''

''میں پچاس سیڑھیاں چڑھ چکا ہوں نا۔''

''خدا پچاس اور چڑھائے، آپ واقعی حاتم طائی کی نسل سے ہیں۔''

''ہُم، خیر وہ گاڑی آ گئی، بس اب کام کی بات۔''

خان یہ کہہ کر سامنے سے آتی ہوئی کار کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ وہی ڈاج کار تھی۔ اسے اس وقت ایک ڈرائیور کار پورل چلا رہا تھا، جس نے خان کو سلام کیا اور کار سے اتر گیا۔ خان اور بالے دونوں کار میں جا بیٹھے۔ ڈرائیور پھر اسٹیرنگ پر بیٹھ گیا۔

''راؤنڈ اپ۔ میں پورے ملٹری ایریا کو دیکھنا چاہتا ہوں۔'' خان نے تحکمانہ لہجے میں اس سے کہا۔ اور اس نے ''یس سر''، کہہ کر کار اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

میجر مس لیزلی

''آخر بات کیا ہوئی آپ سے؟ کیوں جنرل نے طلب کیا تھا؟'' بالے نے پوچھا۔

''آج کا دن اور اس کے بعد آنے والی رات تک ہمیں کڑی حفاظت کرنی ہے۔ کل صبح سویرے یہاں سے (۱۰۰) سو میل دور ایٹمی تجربہ شروع ہو جائے گا۔'' خان نے بتایا۔

''یعنی ایٹم بم گرائے جائیں گے؟'' بالے نے وضاحت چاہی۔

''اور نہیں تو کیا بلی چوہے پکائے جائیں گے۔''

''تو اس ساری گڑبڑ کا خلاصہ یہ ہے کہ رازدارانہ طریقے پر ایٹمی تجربات کیے جا رہے ہیں۔''

''کوئی نئی بات کہی تم نے، یہ تو تمہیں پہلے سے ہی معلوم ہے۔''

''مگر اس کار خیر میں ہماری ضرورت کیا تھی؟''

''تم کیا سمجھتے ہو کہ سازشیوں کا سراغ لگانا ان کے بس کا کام ہے۔''

''سیکرٹ سروس۔''

''وہ بھی مصروف ہیں، مگر وہ لوگ براہِ راست قسم کے معاملات کا تجربہ زیادہ رکھتے ہیں۔ پراسرار قسم کے جرائم کی بیخ کنی ان کے تجربات سے باہر کی بات ہے۔''

''تو یہ بیخ کنی ہمارے ہی حصے میں آتی ہے۔''

''میں نے بیخ کنی کہا ہے نا۔''

''زیادہ فرق نہیں، صرف ہجے...''

''تمہیں وہ لڑکی کہیں نظر آئی؟'' خان نے بات کاٹ دی۔

''مجھے تو اس صحرائے لق ودق میں صرف ایک ہی نسوانی چوکھٹہ نظر آیا ہے اور وہ ہے آپ کی میجر مس لیزلی تھامس۔''

''خیر آنکھیں کھلی رکھو، شاید اور بھی نظر آجائے۔''

''آنکھوں والا تری قدرت کا تماشا دیکھے۔''

''بس لگے منجن بیچنے۔''

''جی نہیں سرمہ بیچ رہا تھا۔ خیر کوئی مضائقہ نہیں، میں خود ہی کھالوں گا۔ شاید اس طرح وہ روئے پُرنور پرفتور نظر آجائے۔''

''بس کرو، اب یہ بیہودگیاں۔''

خان یہ کہہ کر خاموش ہو رہا۔ اور بالے کو بھی خاموش ہو جانا پڑا۔ ویسے وہ پچھلی نشست پر تھے اور کار کیوں کہ ملٹری ٹائپ سیون سیٹر تھی، اس لیے ان کی گفتگو ڈرائیور کار پورل بھی نہ سن سکتا تھا، تاوقتیکہ وہ زور سے نہ بولیں۔

☆☆☆☆☆☆

فوج کا اہتمام بہت سخت تھا اور کہیں بھی سوائے فوجیوں کے کوئی نظر نہ آتا تھا۔ کسی مقامی باشندے کا تو سایہ تک انھیں نظر نہیں آیا۔ یہاں پہاڑیوں کے دامن میں فوجی پیر کیں جگہ جگہ بنی ہوئی تھیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بیس کافی عرصے سے یہاں قائم ہے۔ سارے علاقے کا چکر لگا کر وہ ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔ یہ ممنوعہ علاقہ تھا۔ یونٹ کے تمام فوجیوں کو بھی بلا سبب یہاں داخلے کی ممانعت تھی۔ خان کا کار کو نہیں روکا گیا، کیونکہ گیٹ پر موجود آفیسر اس سے واقف ہو گیا تھا۔ ریسٹ روم میں چار پائلٹ آرام کرسیوں پر لیٹے ہوئے تھے۔ خان کو دیکھ کر وہ اٹینشن تو نہیں ہوئے، صرف سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ وہ ایٹ ایز تھے۔ خان مسکراتا ہوا ان کے قریب سے گزر کر واچ اینڈ وارڈ کے انچارج آفیسر کے پاس پہنچ کر رک گیا، وہ میجر تھا۔ خان کو

دیکھ کر اس نے سلام کیا۔

''کہیے، سب ٹھیک ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''جی ہاں، ابھی جنرل کے ساتھ وہ پانچوں سائنٹسٹ آخری طور پر بم بردار طیاروں میں بموں کا معائنہ کرنے آئے تھے۔''

''اور کوئی بھی تھا؟'' خان نے پوچھا۔

''جنرل کی سکریٹری میجر لیزلی بھی تھیں۔ وہ ان کی دم کی طرح ہر جگہ ساتھ رہتی ہیں۔'' میجر یہ کہتے ہوئے مسکرا دیا۔ خان بھی مسکرانے لگا۔

اس کے بعد جب وہ فضائی اڈے کا ایک چکر لگا کر لوٹنے لگے۔ تو خان نے کار کا رخ آرامگاہ کی طرف کر دیا۔ وہ کافی تھک گیا تھا اور کیونکہ آج کی رات ابھی گزارنی باقی تھی، اس لیے اس نے اس وقت تھوڑا آرام لے لینا مناسب سمجھا۔

☆☆☆☆☆☆

شام کے ۵ بج چکے تھے اور بالے آفیسرز میس میں میجر لیزلی کا انتظار کر رہا تھا۔ میس میں اس وقت بہت سے آفیسر موجود تھے، جو عہدے میں لفٹنٹ سے کرنل تک تھے۔ میزیں بھرتیں اور خالی ہو جاتیں۔ لیکن ٹھیک اسی وقت میجر لیزلی جنرل کے آفس میں موجود تھی۔

''سر، میری ہینڈ بک N.B.I. میں چھوٹ گئی ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔

''اوہ، اور آپ کو اب یاد آئی ہے اس کی؟'' جنرل نے پوچھا۔

''میں اسے تلاش کرنے کے بعد یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مجھے اب یاد آیا ہے کہ جب آپ نکلیئر بم کا معائنہ کر رہے تھے، میں نے اسے فولڈر پر رکھ دیا تھا، شاید کیچ کھولتے وقت۔'' میجر نے معصوم مگر گھبرائی ہوئی کیفیت میں کہا۔

''جایئے اسے لے کر آیئے، لیکن آئندہ محتاط رہنے کی کوشش کیجیے۔'' جنرل نے اسے

تنبیہہ کرتے ہوئے کہا۔

''یس، سر۔'' وہ اٹینشن ہوگئی۔ جنرل نے ایک سلپ پر اسے اجازت نامہ لکھ کر دے دیا جو اس نے ہاتھ بڑھا کر لے لیا اور سلام کر کے پلٹنے لگی۔

''میجر۔'' جنرل نے پیچھے سے آواز دی۔ وہ گھبرا کر پلٹ پڑی۔

''آپ کے سینے کا بٹن۔'' جنرل نے سینے پر کھلے رہ گئے ایک بٹن کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ۔'' وہ شرما گئی۔ ''آئی ایم ساری، سر۔'' اس نے جھینپتے ہوئے جلدی سے بٹن لگایا اور دوبارہ سلیوٹ کر کے باہر نکل گئی۔ باہر اسٹاف کی ایک جیپ کار کھڑی تھی، جسے وہ خود ڈرائیو کرنے لگی۔ کار کا رخ فضائی اڈے کی طرف تھا۔

☆☆☆☆☆☆

فضائی اڈے کی حدود میں داخل ہونے کے بعد جب وہ ان جیٹ طیاروں کے نزدیک پہنچی تو سیکیورٹی آفیسرز نے راستہ روک لیا۔ میجر لیزلی نے اسے جنرل کا اجازت نامہ دکھایا اور وہ راستے سے ہٹ گیا۔ N.B.I. ان دو بمبار جیٹ طیاروں میں سے ایک کا نمبر تھا۔ وہ کار سے اتر کر جب طیارے کے نزدیک پہنچی تو یہاں بھی دوسرے سیکیورٹی آفیسر نے اسے روکا، مگر جنرل کا اجازت نامہ دیکھنے کے بعد اسے اندر جانے کی اجازت دے دی۔ دونوں ونگز کے درمیان پیٹ کے حصے کے نیچے ہی بم چیمبر تھا، جس میں خودکار پش فائر کے ساتھ اسپرنگ دار شکنجوں میں بیضوی شکل کا تقریباً دس فٹ لمبا ایٹم بم نصب تھا۔ فولڈر اس کاوہ کور کا حصہ تھا جو اسے ایک بٹن دبا دینے پر اوپر سے پوری طرح ڈھک لیتا تھا۔ بم کے سامنے کے موٹے حصے میں ایک نوکیلا پریس بلاسٹنگ کنکٹر لگا تھا۔ بم کے سر کے بل گرنے کے وقت جس کے پوری طرح دبنے سے بم پھٹتا تھا۔ پچھلے حصے میں پُلی (Pulley) کے قسم کی پھرکی لگی ہوئی تھی اور

اس کے ساتھ ہی ایک لمبی راڈ جو غالباً ریڈیائی کنٹرول سے گائڈ کرنے یا داغنے کیلیے کرنٹ رسیور کا کام کرتی ہوگی۔اس کی ضرورت زمین سے ریڈیائی کنٹرول سے بم داغنے کے خودکار عمل (Remote Control System) کی صورت میں پیش آتی۔جلدی جلدی لیزلی نے ایک نظر چاروں طرف دیکھا اور پھر جیب سے ایک رینچ نکال کر بڑی پھرتی سے پریس بلاسٹنگ کے نوکیلے کنکٹر کو رینچ کی مدد سے ڈھیلا کرنا شروع کر دیا۔وہ ابھی اس کی صرف چند چوڑیاں ہی ڈھیلی کر پائی تھی کہ ایک آہٹ نے اسے چونکا دیا۔اس نے جیسے ہی پلٹ کر دیکھا،اس کا خون خشک ہوگیا۔وہ کرنل خان تھا جو اندر آرہا تھا۔گھبراہٹ میں میجر لیزلی نے وہ پانا وہیں فولڈر کے ایک کونے میں چھپا دیا اور تیزی سے باہر کی طرف چل دی۔

خان راستے ہی میں اس سے ٹکرا گیا۔میجر لیزلی کے چہرے کا رنگ زرد ہوگیا۔غالباً خان کی یہاں موجودگی اس کے لیے قطعی غیر متوقع تھی۔

''ہیلو میجر،آپ کچھ پریشان نظر آرہی ہیں؟''خان نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں، وہ...میری ہینڈ بک گم ہوگئی ہے،اسی کو تلاش کر رہی ہوں۔اس میں بہت سی اہم چیزیں درج ہیں۔جنرل مجھے کبھی معاف نہ کریں گے۔''وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''اوہ،یہ تو نہیں ہے آپ کی ہینڈ بک؟''خان نے مسکراتے ہوئے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی سرخ جلد والی ڈائری نکال کر اسے دکھائی۔

''جی ہاں،یہی۔''وہ بظاہر بشاش ہوگئی۔''مگر آپ کو کہاں ملی یہ؟''اس نے پوچھا۔

''آپ کے کمرے سے۔آپ اسے وہاں ڈریسنگ والی الماری کے اوپر چھوڑ آئی تھیں۔''خان نے مسکراہٹ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

''شکریہ۔بہت بہت شکریہ۔مگر آپ وہاں کیسے پہنچ گئے؟''وہ خان کو معنی خیز نظروں

سے گھورتے ہوئے بولی۔

''آپ حسبِ وعدہ میس میں نہیں آئیں تو میں نے سوچا خود آپ کو لیتا آؤں، مگر وہاں آپ موجود نہ تھیں اور کمرے کا دروازہ بھی بند نہ تھا۔''

''اوہ، شاید میں بھول گئی ہوں گی اسے بند کرنا، مگر نہیں، میرے اردلی نے اسے کھولا ہوگا۔'' وہ اب اطمینان سے جواب دینے لگی۔

''بہر حال آپ کو میرا شکر گزار ہونا چاہیے، آپ کی اتنی بڑی الجھن میں نے رفع کردی۔'' خان نے پر مذاق لہجے میں کہا۔

''لیجیے، ایک بار اور شکریہ ادا کرتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔ خان اندر داخل ہوگیا۔ اور بم چیمبر کے ایک ایک گوشے کو غور سے دیکھنے لگا۔ اسی وقت اس کی نظر اس رینچ پر پڑ گئی۔ وہ چند لمحے اسے کھڑا دیکھتا رہا، پھر اس نے اس پر رومال ڈال کر اس کو اٹھالیا اور احتیاط سے جیب میں رکھ کر واپس باہر نکل آیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ادھورے دھماکے

وہ تمام رات خیریت سے گزری۔خان خود بم بردار طیاروں کے حفاظتی اسٹاف میں شامل رہا اور قریب سے نگرانی کرتا رہا۔بالے ایروڈروم کے اندر اور باہر چکر لگاتا رہا، حتیٰ کہ پو پھٹی اور دور ہیڈ کوارٹر کی عمارت پر فوجی بگل بجنے لگا۔تھوڑی ہی دیر میں جنرل کی کار بھی آ پہنچی اور تمام فوج اکٹھی ہو گئی۔آپریشن اسٹاف کنٹرول ٹاور پر چلا گیا تھا۔جنرل نے ساحلی مقامات پر فوجی محافظوں کی ڈیوٹی لگانے کے علاوہ فوجی مشاہدین کو مختلف سمتوں میں تقسیم کر دیا۔خان اس وقت جنرل کے ساتھ تھا اور دائیں طرف میجر لیزلی بھی تھی۔بالے کبھی کبھی اسے بڑی پرشوق نظروں سے دیکھنے لگتا تو وہ مسکرا دیتی۔

جنرل کے سامنے ہی سائنسدانوں کی ٹیم اپنے مشاہدے کے آلات سمیت ایک طیارے پر سمندر کی سمت روانہ ہو گئی۔پھر ایک پلین میں فوجی سائنٹسٹ روانہ ہوئے اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے وہ دونوں بم بردار طیارے روانہ کر دیے گئے۔جنرل کے ساتھ ایک فوجی سائنٹسٹ کرنل لاک ہارٹ بھی تھا، وہ آخری طیارہ ان کا ہی تھا جس میں پائلٹ کے علاوہ چھ نشستیں تھیں۔چنانچہ خان اور بالے اور میجر لیزلی کو بھی جنرل کے ساتھ ہی جگہ ملی۔جنرل نے اپنی کلائی کی گھڑی میں وقت دیکھا۔

''صرف دس منٹ رہ گئے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے طیارے میں لگا ہوا وائرلیس کا ماؤتھ پیس اٹھایا۔اور اس کی آواز جزیرے کے پورے ساحلی علاقے میں اور ایروڈروم پر لاؤڈ اسپیکروں سے سنائی دینے لگی۔

''کنٹرول، ایڈجسٹ لوکیشن، چیک پوسٹ، انفارم دی اسٹاف، ساحلی علاقوں میں کوئی نظر نہ آئے۔صرف دس منٹ کے بعد ہمارا پہلا ایٹم بم بلیک اسپاٹ پر گرایا جائے گا۔'' یہ

کہہ کر اس نے ماؤتھ پیس رکھ دیا۔

''جنرل سر، معاف کیجیے گا، یہ بلیک اسپاٹ کیا ہے؟'' خان نے اس سے پوچھا۔

''اوہ، یہاں سے (۱۰۰) سو میل دور ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جسے انسانوں سے بالکل خالی کرا دیا گیا ہے اور ایٹمی دھماکے کا ردِعمل دیکھنے کیلیے وہاں مختلف قسم کے جانور چھوڑ دیے گئے ہیں۔ ہم اسی کو بلیک اسپاٹ کہتے ہیں۔'' جنرل نے بتایا۔

''لیکن اگر جزیرہ چھوٹا سا ہے تو ہوابازوں کا نشانہ چوک بھی سکتا ہے۔'' خان نے کہا۔

''کیسے ہوباز؟ وہ تو صرف میس تک استعمال کیے گئے تھے۔ اس وقت بم بردار طیارے ریموٹ کنٹرول (Remote Control) سے پرواز کر رہے ہیں۔ ہم نے ایک بھی انسانی جان خطرے میں نہیں ڈالی ہے۔'' جنرل نے مسکرا کر بتایا۔

''تب تو واقعی ریڈیو کنٹرول کا یہ سسٹم بڑا پراثر ہے۔ مجھے تو ان طیاروں کی اڑان پر ان میں ہوابازوں کے موجود ہونے کا ہی دھوکا ہوا تھا۔'' خان نے کہا۔

''یہ بھی سیکرٹ ہے تاکہ کسی کا دھیان ریموٹ کنٹرول کی طرف نہ جائے۔'' جنرل مسکرا کر بولا۔ پھر اس کو کچھ یاد آ گیا اور اس نے سیٹ آن کر کے ماؤتھ پیس دوبارہ اٹھا لیا۔

''از دیٹ آل کلیئر، جنرل کالنگ۔ از دیٹ آل کلیئر ایوری وھیئر؟'' اس نے دہرایا۔

''یس سر، شورز (سمندری کنارے) آل کلیئر۔'' سیٹ سے آواز آئی اور ذرا سے وقفے کے بعد پھر ایک دوسری آواز سنائی دینے لگی۔

''کنٹرول کالنگ، جنرل۔ آل سیٹ۔ طیارے بلیک اسپاٹ پر پرواز کر رہے ہیں۔''

''سائرن دے کر، بلو اپ کاشن کاؤنٹ کیجیے۔'' جنرل کے وائرلیس پر چند سیکنڈ

کے بعد ایک ایسے سائرن بجنے کی آواز سنائی دینے لگی جو بالعموم کسی بڑے سمندری جہاز کی روانگی کے سائرن کی آواز سے ملتی جلتی تھی۔ یہ سائرن مسلسل پانچ منٹ تک بجتا رہا۔ جس کا مطلب تھا کہ اب تمام لوگ ساحلی علاقے سے ہٹ کر اندرونِ جزیرہ چلے جائیں اور زمینی مشاہدین اپنی پناہ گاہوں میں چلے جائیں۔ فضا میں پرواز کرتے دوسرے طیارے تجربے کی رینج (حدود) سے باہر نکل آئیں تا کہ ردِعمل سے محفوظ رہیں۔ سائرن کے خاموش ہوتے ہی کنٹرول کی آواز سنائی دی۔

"ریڈی فار کاشن۔"

اور اس کے بعد آخری دس سیکنڈوں کی الٹی گنتی شروع ہو گئی۔

"۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱۔" اور ایک کے بعد ہی اچانک دور سمندر میں تقریباً ۱۰۰ میل کے فاصلے پر نظر آنے والے ایک سیاہ دھبے کے اوپر آسمان پر پرواز کرتے ہوئے ایٹمی جیٹ طیارے N.B.L. نے غوطہ کھایا اور زیرو پر اس کا شکم کھل گیا۔

ایٹمی بم ایک سنسناتی ہوئی آواز کے ساتھ نیچے کی طرف چلا اور اچانک ایک نگاہ کو خیرہ کر دینے والی تیز سفید روشنی سے زمین و آسمان روشن ہو گئے اور پھر سارا جزیرہ کانپ اٹھا۔ وہ دھماکہ اتنا شدید تھا کہ جزیرے پر فوجی بیرکوں میں شگاف پڑ گیے اور زمین جگہ جگہ درک گئی۔ سمندر کا پانی بلند ہونے لگا اور چمکیلے دھوئیں کا ایک غبار بلیک اسپاٹ سے بلند ہوتا نظر آیا جو کسی بادل کی طرح اوپر اٹھ کر پھیلتا چلا جا رہا تھا۔

اچانک کرنل کو کنٹرول سے ایک گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"جنرل، کنٹرول رپورٹنگ، کوئی بات غیر معمولی ہوئی ہے۔ بم کا دوسرا دھماکہ ابھی تک نہیں ہوا۔"

اس پر جنرل کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

"ذرا اور انتظار کر لیجیے۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے ماؤتھ پیس پر بولا۔

Akram Allahabadi

اور چند سیکنڈ کیلیے ساری فضا پر ایک بھیانک سکوت مسلط ہوگیا۔یہ سکتے کی کیفیت اسی طرح طاری رہی حتیٰ کہ پانچ منٹ گزر گئے۔پھر دس منٹ اور پھر کنٹرول کی آواز سنائی دی۔

"جنرل،دوسرا دھماکا نہیں ہوا۔کوئی بات ضرور ہوئی ہے۔کوئی خامی۔"

مگر جنرل نے ایک ہاتھ سے اپنا سر پکڑ لیا۔

"جنرل،آرڈر پلیز۔"

"اچھا۔N.B.2 اسی جگہ دوسرا بم گرو ایے۔"جنرل نے بمشکل آرڈر دیا۔

"ویری ویل سر۔"

اور ایک بار پھر الرٹ کال کے ساتھ دوسرے بم کے گرائے جانے کا اعلان کرتے ہوئے کنٹرول نے پھر سے بلواؤ کاشن کا شمار شروع کر دیا۔

"۱۰،۹،۸، ۷،۶،۵،۴،۳،۲،۱۔"

اس بار دوسرے طیارے N.B.2 نے بلیک اسپاٹ پر غوطہ مارا جہاں زمین سے بلند ہو کر چمکیلا دھواں فضا میں پھیل رہا تھا۔خدا جانے دھواں تھا یا کہر۔اور زیرو پر پہنچتے ہی ایک بار پھر زمین،آسمان،سمندر اور ہوا تک کانپتی معلوم ہوئی۔یہ دوسرا دھماکہ تھا جس نے ہوا تک لرزا دی،مگر یہ دوسرے بم کا تھا۔اور اس بار پھر انھوں نے اس جزیرے سے اسی قسم کا چمکیلا غبار بادل کی شکل میں بلند ہو کر آسمان میں پھیلتا دیکھا۔کنٹرول کی آواز پھر سنائی دی۔

"جنرل سر،دوسرے بم کا بھی دوسرا دھماکہ نہیں ہوا۔"

جنرل کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔کروڑوں کی لاگت سے تیار کیے گئے یہ بم کیا اتنے پھسپھسے ثابت ہوئے تھے کہ صرف پہلا دھماکہ ہی کر کے رہ گئے۔

اچانک جنرل کو سائنسدانوں کے مشاہداتی طیارے کا کال سیٹ پر سنائی دیا۔

"جنرل سری نریش،ریڈیو ایکٹیو فال آؤٹ۔متوقع حیثیت سے مختلف نظر آرہا

ہے، جیسے دھواں بھاری ہوکر وہیں آس پاس زمین پر برس رہا ہو۔ بہت خفیف سی دھند بیس کی سمت پرواز کر رہی ہے۔'' آواز کہتی سنائی دی۔

''صرف ایک دھماکہ میری سمجھ میں نہیں آیا؟'' جنرل نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

''اوہ، یعنی صرف جوہر کا انتشار ہوا ہے۔ ایٹم کے مغز ابھی نہیں پھٹے۔ وہ پہلے دھماکے کے فوراً بعد ہونے والے دوسرے دھماکے میں پھٹتے ہیں اور ان سے سرخ، زرد اور سبز شعاعیں برستی ہیں۔'' ادھر سے کہا گیا۔

''یعنی ایٹم کے مغز کا انتشار نہیں ہوا؟'' جنرل نے پوچھا۔

''بالکل یہی ہم کہنا چاہتے ہیں۔'' آواز آئی۔

''یہ تو بڑی حیرتناک بات ہے۔ بڑی عجیب اور ایک طرح سے خوفناک بھی۔'' جنرل خان کی طرف گھوم کر کہنے لگا۔

''یعنی؟'' خان نے پوچھا۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے دھماکوں سے زندہ یا چارج کیے ہوئے ایٹم برس رہے ہیں۔'' جنرل نے کہا۔

''تو اس سے کیا ہوگا؟''

''کوئی نہیں جانتا کیا ہوگا، یہ ایسا پہلا اتفاق ہے۔ بڑا عجیب۔ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ نتائج کیا ہوں گے۔'' جنرل نے بتایا۔

اور تقریباً پندرہ منٹ تک مزید انتظار کرنے کے بعد مجبوراً جنرل نے مشاہدین کی ٹیم اور حفاظتی طیارے فضا سے واپس بلا لیے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پراسرار موت

اپنے آفس میں جنرل سری نرلیش مایوس اور پریشان بیٹھا تھا۔اس کے سامنے میز کے چاروں طرف کرسیوں پر بریگیڈیئر سہگل، کرنل لاک ہارٹ، کرنل سنگھ اور خان اور بالے کے علاوہ سائنسدانوں کی ٹیم اور تین دوسرے فوجی سائنٹسٹ بھی تھے جو نکلیئر ریونٹ سے تعلق رکھتے تھے۔جنرل خود نکلیئر یونٹ کا انچارج اور بڑے پائے کا نکلیئر سائنٹسٹ تھا۔وہ سب ہی اولین تجربے کے اس ادھورے عمل پر غور کر رہے تھے۔میجر لیزلی جنرل کے پیچھے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیڈ اور پنسل تھی جس میں بحث کے پوائنٹس لکھتی جاتی تھی۔

''لیکن جنرل، سر، دوسرا بم تو سمندری دھماکے کیلیے تھا؟'' بریگیڈیئر نے سوال کیا۔ ''N.B. 2 کو اڑان پر بھیجنا کیا ضروری تھا؟''

''N.B.1 کے دھماکے کے اثر سے محفوظ رکھنے کیلیے N.B.2 کو بھی فضا میں رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔اس کا تجربہ ہم ایک ایک ہفتے بعد کرنے والے تھے، لیکن ایٹم کے مغز کا انتشار ضروری تھا، اس لیے پہلے بم کے ہی نشانے پر اسے بھی داغنا پڑا۔'' جنرل نے جواب دیا۔

''دوسرا بم محفوظ ہوتا تو ہم یقیناً پہلے بم کے ایکسپلوژن کی خامی معلوم کر سکتے تھے۔'' بریگیڈیئر نے رائے دی۔

''تجربات کے دور میں ایسے اتفاقات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔'' جنرل نے کہا۔ ''بہر حال یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا ردِعمل کیا ہوگا۔ ہماری یونٹ ایک مہینے تک ان ادھورے دھماکوں کے ردِعمل کے مطالعے کیلیے قیام کرے گی۔'' جنرل نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔''اور کرنل خان۔'' وہ خان کی طرف متوجہ ہوا۔''مجھے پورا یقین ہے کہ ایسا کسی خامی کے سبب نہیں ہوا ہے، بلکہ ہمارے تجربے کو ناکام بنانے کیلیے جس خفیہ غیر ملکی سازش کی اطلاع ہمیں ملی تھی، وہ

غالباً ہمارے اتنے سخت انتظامات کے باوجود کامیاب ہوگئی ہے۔'' جنرل فکرمندانہ لہجے میں کہتا رہا۔

''بالکل یہی بات ہوسکتی ہے، جنرل۔'' کرنل لاک ہارٹ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔

''میں بھی یہی کہنے والا تھا، کیونکہ کل ۴ بجے سہ پہر کو آخری بار دونوں بم اور ان کا ڈسچارجنگ سسٹم پوری طرح چیک کیا جاچکا تھا۔'' وہ پورے وثوق سے بولا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بموں کے بلوٹنگ سسٹم میں جو خرابی پیدا کی گئی ہے وہ کل سہ پہر کے ۴ بجے کے بعد سے ان طیاروں کی پرواز کے عرصے کے درمیان ہوئی ہے۔'' خان نے اٹھ کر سوال کیا۔

''یقیناً۔'' کرنل لاک ہارٹ نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

''تب تو پھر آپ کا مجرم میری جیب میں ہے۔'' خان جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولا۔ وہ سب اس حیرتناک انکشاف پر چونک پڑے اور بالے بھی حیرت سے خان کی شکل دیکھنے لگا۔ خان کی جیب سے سفید رومال میں لپٹی ہوئی کوئی چھوٹی سی وزنی چیز نکلی۔ خان نے اسے درمیان میں میز پر رکھ دیا اور وہ سب ہی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ یہ وہی چھوٹا سا پانا (رینچ) تھا جو خان نے N.B.1 میں بم کے فولڈر کے قریب سے اٹھایا تھا۔ خان کی نظریں میجر لیزلی کے چہرے پر جا پڑیں۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

''میجر، کیا یہ رینچ آپ وہاں چھوڑ کر آئی تھیں؟''

''نن... نہیں تو۔ میرا رینچ سے کیا واسطہ ہوسکتا ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''لیکن اس پر آپ کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔'' خان براہِ راست اسی سے گفتگو کرنے لگا۔

''مم... میرے... ناممکن، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔'' وہ انکار کرتی گئی۔

''بالے، باہر گراؤنڈ انجینئر کا اسسٹنٹ موجود ہے، اسے بلاؤ۔''خان نے بالے کی طرف گھوم کر کہا۔''وہ بتائے گا کہ یہ رینچ اس سے کس نے مستعار لیا تھا۔''بالے اپنی نشست سے اٹھا ہی تھا کہ خان زور سے چیخا۔

''جنرل، اسے پکڑیے۔''یہ کہتا ہوا وہ خود بھی میز پر سے جست مار کر لیزلی پر جھپٹا۔

جنرل پشت کی طرف گھوما ہی تھا کہ اسے لیزلی لڑکھڑا کر فرش پر گرتی نظر آئی۔

جنرل اور خان دونوں جس وقت اس پر جھکے تو اس کی بدن اینٹھ چکا تھا۔وہ مر چکی تھی۔

''وہی سوئی۔''خان نے اس کے ایک ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسی باریک سی سوئی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔اور تمام افراد ان کے گرد ہجوم کر کے اس منظر کو حیرت و عبرت کی نظروں سے دیکھنے لگے۔

''مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ میجر لیزلی تو ہمارے محکمے میں کئی سالوں سے تھی۔وہ کبھی بھی نا قابلِ اعتماد نہیں نظر آئی؟''جنرل اٹھتے ہوئے تاسف زدہ لہجے میں بولا۔

''انسان فرشتہ نہیں ہوتا، جنرل۔''خان بولا۔

لیکن میجر لیزلی کی جیب سے جو کاغذ کا پرزہ برآمد ہوا اس نے اس مسئلے کا حل کر کے بھی ادھورا چھوڑ دیا۔اس میں لکھا تھا۔

''میں نے اپنے محبوب کی خاطر اپنے وطن سے غداری کی ہے۔لیکن میں خود کو مجرم نہیں سمجھتی، کیونکہ وہ مجھے ساری کائنات سے زیادہ عزیز ہے۔اس پر میں سب کچھ قربان کر سکتی ہوں۔میں نے یہ فیصلہ بڑی کٹھن کشمکش کے بعد کیا ہے۔''

''لیجیے، اب ان کے محبوب کو تلاش کرتے پھریے۔''بالے بڑبڑایا، لیکن پھر بڑے آفیسرز کی موجودگی کے احساس نے اس کی زبان بند کر دی۔

☆☆☆☆☆☆

اس واقع کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا اور اس دوران جنرل نے سخت قسم کے احکامات

جاری کر دیے تھے کہ کوئی جزیرے کے باہر قدم نہ رکھے، نہ پہاڑیوں کی طرف جانے کی کوشش کرے۔ اسے تجربے کی ناکامی پر شدید قسم کا غم و غصہ تھا اور فوج کے ہر رینک میں مشتبہ افراد کو تلاش کیا جا رہا تھا۔ وہ اس سازش کی جڑ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ روانگی سے قبل کی وارداتوں اور لیزلی کے کیس کے بعد یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ اس مخالف طاقت کی سازش کا جال اب تک پھیلا ہوا اور ایک سے دوسرے تک ذمے داری اور احکامات منتقل کرنے والے کئی افراد یہاں موجود رہے ہوں گے۔ خان ان فوجیوں میں سے کئی کو چیک کر چکا تھا جو بموں کے ادھورے دھماکوں کے بعد ایٹمی ذرات کی بارش کی زد میں آئے تھے اور میس کے اسپتال میں ڈاکٹروں اور سائنسدانوں کے زیرِ مطالعہ تھے۔ ان میں ایک لڑکی ایسی بھی تھی جس کا تعلق اگرچہ فوج کے چلتے پھرتے کینٹین سے تھا اور کافی وغیرہ بانٹتا پھرتا تھا۔ موبائل کینٹین کے انچارج کے بیان کے مطابق یہ لڑکی ایک ساحلی پوسٹ پر سگریٹوں اور جیلی کے کچھ ڈبے دینے جا رہی تھی جب دوسرا دھماکہ ہوا اور اس کے تقریباً بیس منٹ بعد وہ وہیں زمین پر بیہوش پڑی پائی گئی تھی۔ یہ لڑکی کیونکہ کھلے طور پر ایٹمی فال آؤٹ سے متاثر ہوئی تھی اس لیے دوسرے ہی دن اس کا ردِعمل اس پر ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اس کا سارا بدن سوج گیا تھا اور چہرہ تو ایسا پھولا ہوا تھا کہ اس کی شکل سے اسے کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ وہ دھیمے لہجے میں باتیں کرتی تھی، مگر پوری طرح ہوش میں تھی۔ اس نے بس اتنا ہی بتایا تھا کہ دوسرے بم کے دھماکے کے بعد اسے جیسے بڑی تیز قسم کی روشنی نے گھیر لیا تھا۔ وہ اس کی دہشت سے بیہوش ہو گئی تھی۔

آج بھی خان اس کے وارڈ سے نکل رہا تھا۔ اسے بالے باہر ہی نظر آیا۔ اس کی داڑھی بال بڑھے ہوئے تھے اور چہرے پہ فلسفیانہ سنجیدگی طاری تھی۔

''خیر تو ہے؟'' خان نے اس سے پوچھا۔

''یہ دنیا ایک سرائے فانی ہے۔ یہاں کوئی چیز پرمانٹ نہیں۔ نہ آپ کی سپر ڈنٹی نہ اپنی سارجنٹی۔ اس لیے خدا رسیدہ بن کر اگر اس جزیرے پر اپنا مقبرہ قائم کیا جائے تو ضرور دو

چار صدیاں یاد کرتی رہیں گی۔" وہ بڑبڑانے لگا۔

"کیا تمہاری کھوپڑی پر بھی اثر ہوا ہے؟"

"بغیر حوا کے اگر آدم بھی اکیلے خدا کی اس زمین پر بھیجے جاتے تو افزائش نسل کی بجائے خودکشی کر گئے ہوتے۔"

"اوہ، تو کیا یہی ارادہ ہے؟"

"زندگی کی خوشگوار تمناؤں کا گلا گھوٹنا بھی کسی خودکشی سے کم نہیں۔" بالے اسی صوفیانہ ادا سے بولا۔

"تمہیں اس جزیرے پر سزائے عمر قید تو نہیں دی گئی ہے۔"

"آپ ٹھہرے مرد فینئی رسیدہ، ہم سے پوچھیے جنہیں خدا کی یہ وسیع کائنات حسین چوکھٹوں کے بغیر طلسمِ زعفران زار سلیمانی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ایک ہفتہ ایسا گزرا ہے، جیسے ایک ہزار برس تک کسی اندھے کنوئیں میں اوندھے لٹکے مر رہے ہوں۔"

"تو ابھی تو کئی ہزار برس اور لٹکنا ہے۔"

"تب تو آواگون کا قائل ہونا پڑے گا۔"

"یعنی؟"

"یعنی پیدا ہوئے، ٹھنڈی آہیں بھریں اور مر گئے۔ پھر پیدا ہوئے ٹھنڈی آہیں بھریں اور مر گئے۔ پھر..."

"بس بس، دنیا تمہاری پیدائش کا زیادہ بوجھ برداشت نہ کر سکے گی، آبادی ویسے بھی کافی بڑھی ہوئی ہے۔"

"آخر اس کالے پانی سے کب نجات ہوگی؟"

"گھبراؤ نہیں، اس وارڈ میں ایک حوا کی بیٹی موجود ہے، شاید اسے تمہاری بے چارگی پر رحم آجائے۔"

Akram Allahabadi

''باپ رے، وہ جس کا چہرہ تربوز بنا ہوا ہے؟ وہ تو بیچاری خود نہ جانے کب ٹکٹ کٹائے۔''

''نہیں بالے صاحب، وہ خود ہی بکنگ کلرک معلوم ہوتی ہے۔''

''شوکت بھائی کی عقل پر خاک، میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔''

''یہ وہی لڑکی ہے جس کی تلاش کی ہدایت میں نے تمہیں کی تھی۔'' خان نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔ ویسے ان کے قریب وہاں کوئی تھا بھی نہیں۔

''ارے، یعنی ملی تو تھی ایٹم زدہ۔''

''مجھے اس پر بھی شک ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب ذرا دیر میں سمجھ میں آئے گا، میں غور سے اس کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ اس کے اوپر ریڈیو ایکٹیوٹی کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا اور سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ کیونکہ ایٹم کے مغز کا انتشار نہیں ہوا، اس لیے اغلب ہے کہ ریڈیو ایکٹیوٹی کا اخراج ہی نہ ہوا ہو۔ سالم ایٹموں کی ہی بارش ہوئی ہے۔'' خان نے بتایا۔ وہ اب کار میں بیٹھ چکے تھے۔

''اب آپ ایٹمی سائنسداں بھی بننے کی کوشش کر رہے ہیں؟''

''آج کی دنیا میں سب کچھ جاننا ضروری ہے۔ اور پھر وہ لوگ اس کے ردِعمل سے محفوظ رکھنے والے انسولیشن سوٹ پہن کر کتنے دنوں سے دھماکے کے علاقے میں ان اثرات کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ ان کا خیال تو غلط نہیں ہو سکتا۔''

''اب کیا فائدہ ہے ان چیزوں سے؟'' بالے نے پوچھا۔

''ان سب کو ہی ایک بڑے خطرے کی فکر ہے۔ بم پھٹنے سے منتشر ہونے والے ایٹم برقیائے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ فضا میں موجود دوسرے اجزاء کو بھی چارج کر دیتے ہیں۔ ان ایٹموں میں حرکت و حرارت دونوں موجود رہتی ہیں، اس طرح یہ زندہ ایٹم ہوتے ہیں۔ اب

خدا جانے ان کے انتشار کا کیا ردِعمل ہو۔یہی جاننے کیلیے وہ سب پریشان ہیں۔کیونکہ اگر ان کے اثرات تباہ کن ہوئے تو ان کے پھیلاؤ کو روکنا مشکل ہوجائے گا۔وہ فضا میں موجود دوسرے اجزاء اور ذرات کو بھی چارج کرتے چلے جائیں گے۔وہ سب سے پہلے ہمارے ملک کے جنوب مغربی ساحلی علاقے ہی ان کے اثر کی زد میں آئیں گے۔''خان نے بتایا۔

''میں صرف ایک غریب پولیس سارجنٹ ہوں،آپ مجھے ایٹمک انرجی کمیشن مت سمجھیے۔''بالے نے اکتا کر احتجاج کیا اور خان نے برا سا منہ بنالیا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم یہیں ڈیوٹی دو۔''

''اس ایٹم زدہ سوجی ہوئی لڑکی کیلیے؟''

''تمہاری کھوپڑی میں آج کل بھوسا کیوں بھر گیا ہے؟''

''سمجھ گیا،سمجھ گیا۔یعنی کتنے جانور آئے،کتنے گئے۔مگر آپ کا شمار کس طرف کروں؟''

''کیا مطلب؟''

''میرا مطلب ہے کہ ضرورت پڑے تو کہاں ڈھونڈوں؟''بالے جلدی سے بولا۔

اور خان مسکرا دیا۔''پاکٹ ٹرانسمیٹر تو موجود ہے۔''

''بہتر ہے،مگر اس ڈیوٹی کی ضرورت وزٹروں کے وقفے میں یا رات کو ہی ہوگی؟''

''ہاں۔''

''باقی وقت تو میرا ہوگا؟''

''لیکن فوجی علاقے سے باہر نہیں جاؤ گے۔''

''ویری ویل سر۔''

خان نے ہنستے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

خنجر

وہ بہت دیر تک اسی علاقے میں ٹہلتا رہا۔ بہت سے فوجی افسر اس دوران میں اس کے دوست ہو گئے تھے، لیکن اس نے ایک موٹے سارجنٹ کو اپنی دوستی کیلیے خاص طور پر چھانٹ لیا تھا۔ اس سارجنٹ کے چہرے پر ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود بھی معصومیت تھی اور وہ تھا بھی کچھ بے وقوف، مگر سادہ لوح۔ اسے دیکھ کر بالے کو شوکت یاد آ گیا تھا۔ اس سارجنٹ کا نام گوور دھن تھا، مگر سب اسے گوبر ہی کہتے تھے۔ اپنی عادت کے مطابق وہ بالے سے بہت جلد بے تکلف ہو گیا اور اس کیلیے یہ اکڑنے کی بات تھی بھی کہ ایک لفٹین اس کا دوست ہو گیا تھا۔ اس وقت بھی بالے اسی کو تلاش کر رہا تھا۔ فوجی علاقے کی حد بندی لکڑی کے کھمبے گاڑ کر خاردار تاروں کی باؤنڈری قائم کر کے کی گئی تھی اور اس کے بعد کا علاقہ یہاں سے مشرقی پہاڑوں کے دامن کے جنگل شروع ہوتے تھے۔ فوجیوں کیلیے آؤٹ آف باؤنڈ تھا۔ یہاں سبز گھاس اور گیلی زمین کی وجہ سے دماغ پھاڑنے والی بدبو پھیلی رہتی تھی۔ ایم ٹی سکشن سے بالے کو ایک جیپ مل گئی اور وہ اسے ڈرائیو کرتا ہوا اکیلا ہی نکل پڑا۔ تجربات کی ناکامی کے بعد سے اگرچہ ایمرجنسی آرڈرز کے تحت جزیرے کے ساحل پر نگرانی زیادہ سخت کر دی گئی تھی، لیکن اندرونی مقامات کی نگرانی زیادہ سخت نہیں ہو رہی تھی۔

بالے اکیلا ہی جیپ کو ڈرائیو کرتا ہوا اس وقت ذہنی سکون کی تلاش میں پہاڑوں کے دامن والے جنگل کی طرف ہی جا رہا تھا۔ اس نے ایک بار اسی طرف سے گوبر کو آتے ہوئے پکڑا تھا۔ وہ شراب پیے ہوئے تھا۔ اس دن گوبر نے ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگی تھی، اس لیے بالے نے رپورٹ نہیں کی تھی۔ بالے کو شبہ تھا کہ وہ کہیں اس طرف جا کر چھپ کر شراب پیتا ہے، کیونکہ فوجی کیمپ میں شراب ممنوع تھی سوائے ان افسروں کے جن کے پاس اجازت نامے

Akram Allahabadi

تھےاورانھیں بھی ایک محدودمقدار میں دی جاتی تھی ۔

وہ کارڈرائیو کرتا ہوا ممنوعہ علاقے تک آ گیا۔اس مقام کی حد بندی ایک پتلی سی تار سے کی گئی تھی ۔ندی کا پانی اتھلا تھا،اس لیے وہ جیپ ندی سے نکال لے گیا۔ندی کے دوسری سمت سے قبائلیوں کا علاقہ شروع ہوتا تھا،لیکن فوج کی مصلحتوں کے پیش نظر انھیں پہاڑوں کے پیچھے کے علاقے تک ہی رہنے کی ہدایت کر دی گئی تھی تا کہ اس طرف آنے سے وہ فوجیوں میں خلط ملط نہ ہو سکیں ۔

یہاں قدِ آدم گھنی جھاڑیاں تھیں، زمین ناہموار تھی اور بڑے اور تن آور درخت تھوڑے تھوڑے فاصلے سے کھڑے تھے۔اچانک اس کے کان کھڑے ہو گئے ۔یہ کسی کی آواز تھی، بلکہ زیادہ آوازیں تھیں ۔بالے نے جیپ کو ایک جھاڑی کی اوٹ میں کھڑا کر دیا اور خود پیادہ درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ لیتا ہوا اس طرف بڑھنے لگا۔کچھ دور ہی جا کر اسے چونک کر ایک درخت کی آڑ میں ہونا پڑا۔وہ منظر دیکھ کر اس کیلیے اپنی ہنسی روکنا بھی مشکل ہو گیا۔

سارجنٹ گوورڈھن دو ساتھیوں کے ساتھ، جن میں سے ایک کارپورل معلوم ہوتا تھا اور دوسرا کوئی لانس کارپورل اسی طرف آ رہا تھا۔ان کے ہاتھوں میں شراب کی دیسی ساخت کی بوتلیں تھیں ۔سارجنٹ اور کارپورل کے قدم نشے میں لڑکھڑا رہے تھے۔اور سب سے زیادہ مضحکہ خیز عالم لانس کارپورل کا تھا۔وہ زمین پر دونوں ہاتھ ٹیکے جانوروں کی طرح چاروں ہاتھ پیروں سے چل رہا تھا۔اور سارجنٹ گوبر اور کارپورل دونوں دو سمتوں سے اس کے دونوں کان تھامے ہوئے تھے۔

''لفٹ،سارجنٹ کارپورل سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا۔

''یس جنرل۔'' کارپورل نے نشے میں لہر لیتے ہوئے اسے سلیوٹ کر کے جواب دیا۔

''ہم کون ہیں؟ بچ۔''

''سر،تم جنرل گوبر گنیش ہو۔''

''شی، گووردھن چٹوپا دھیائے، جنرل آئی اوسی اے پی سی ڈی ۔آفیسر کمانڈنگ اینڈ کمانڈنگ چیف وغیرہ وغیرہ، ہیچ۔''سارجنٹ گوبر جھومتے ہوئے ایک ہاتھ بلند کر کے بولا۔

''یس سر۔''

''کیا یس سر؟''

''یعنی سب کچھ، ہیچ۔''

''کیوں فرانسس، یہ سچ بولتا ہے؟''گوبر نے یہ کہتے ہوئے خچر بنے ہوئے لانس کارپورل کا کان اینٹھا۔اس وقت بالے کی سمجھ میں آیا کہ جنرل کون بنا ہوا ہے، کون لفٹنٹ اور اور کون بولنے والا خچر فرانسس۔اس نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔وہ تینوں ہی شراب کے نشے میں بچوں کی طرح کھیل کھیلتے نظر آرہے تھے۔حالانکہ ان کے چہرے سنجیدہ تھے۔فرانسس نے اپنی گردن اکڑالی۔

''ابے بول نا؟''

''نہیں بولتا۔''فرانسس بنے ہوئے لانس کارپورل نے بڑی موٹی بھاری آواز بنا کر منہ چلاتے ہوئے جواب دیا۔

''لفٹنٹ۔''گوبر نے کارپورل کو مخاطب کیا۔''فرانسس کی گھاس بند کردو۔''

''یس جنرل سر۔''وہ جھوم کر سلیوٹ کرتے ہوئے بولا۔پھر فرانسس سے مخاطب ہوا۔''بیٹا فرانسس، سن لیا۔''

''سن لیا۔بولتا ہوں، جرنل سر۔پھو...ہم...ایں ہاں...ایں ہاں۔''وہ منہ اٹھا کر خچر کی بولی بولنے لگا۔

''یہ لو، ہیچ، بھائی گدھے کی ہی بولی بولنے لگے۔تم فرانسس ہو یا خچر؟''سارجنٹ نے اسے ڈانٹا۔

''میں ایک خچر ہوں۔میرا نام فرانسس ہے۔میں دنیا کی سات زبانیں جانتا ہوں، ہچ ،اور میں جنرل سے بڑا عقلمند ہوں، ہچ۔''

چوپائے کی طرح چلنے والا لانس کارپورل موٹی بھاری آواز میں بولا۔

''نائیں نائیں، جنرل سب عقلمندوں کا باپ ہوتا ہے۔''

گوبر نے اس کی تردید کی۔''ایک خچر اس سے زیادہ عقلمند نائیں ہوسکتا، ہچ۔''

''ہوسکتا ہے۔''

''نہیں ہوسکتا۔''

''ہوسکتا ہے۔''

''شٹ اپ،لفٹ فرانسس کا کورٹ مارشل کردو۔''

''ویری ویل سر۔'' کارپورل نے پھر سلیوٹ کیا۔

''ایک فوج میں دو جنرل نہیں رہ سکتے۔نہیں،یعنی کہ، ہچ،دو عقلمند نہیں رہ سکتے، ہچ۔ یعنی دو فرانسس، ہپ نہیں، یعنی کہ دو خچر نہیں رہ سکتے۔''

''ہاں۔''

''تم خچر نہیں ہو،خچر تو میں ہوں۔''

''ارے ہاں، میں تو بھول ہی گیا تھا۔'' یہ کہہ کر وہ کارپورل سے مخاطب ہوا۔

''لفٹ۔''

''اٹینشن۔''لفٹ خود اٹینشن ہوکر بولا۔

''تم کو عہدے سے اتار دیا گیا،تم اب جمعدار ہو۔اور فرانسس کو ہم لفٹ بناتے ہیں۔''

''سر،خچر لفٹ ہو ہی نہیں سکتا۔''

''ہماری آرمی میں ہم چاہیں تو الو کے پٹھوں کو بھی لفٹ بنا سکتے ہیں۔''

Akram Allahabadi

''اٹینشن۔''

''جنرل سر۔'' کارپورل نے گویا اپیل کی اور یہ کہتے ہوئے بوتل کا آخری گھونٹ بھی چڑھا گیا۔

''لیس لفٹیننٹ۔''

''میں تمہارا کورٹ مارشل کرتا ہوں۔''

''ہشت،لفٹیننٹ کسی جنرل کا کورٹ مارشل نہیں کرسکتا، ہچ۔''

''کرسکتا ہے۔''

''نہیں کرسکتا۔''

''میں تم دونوں کا کورٹ مارشل کرتا ہوں۔''فرانسس نے مداخلت کی۔

''ابے واہ خچر، ہچ،یعنی آپ بھی چلے نال ٹھکوانے۔''سارجنٹ نے اس کی پیٹھ پر دھول مار کر کہا۔''بولی بولو،بولی بولو۔''

''لیس سر، ہیں ہاں،ایں ہاں،ایں ہاں، ہچ ہچ ہچ باہ۔''

''فرانسس، ہماری آرمی راستہ بھول گئی ہے،ہمیں راستہ دکھاؤ۔''سارجنٹ نے کہا۔

''میری دم کے پیچھے چلے آؤ۔''

اوراس کے بعد فرانسس آگے آگے ہولیا اور جنرل اوراس کی فوج، جوصرف ایک فرد پر مشتمل تھی، پیچھے۔

''فل آرمی، اٹینشن۔'' جنرل نے کاشن دیا اور کارپورل پر مشتمل اس کی آرمی اٹینشن ہوگئی۔

''کڑک مارچ۔''

''ہشت،کوئک مارچ۔''

''ہم جنرل ہیں،مارچ،اپریل،مئی، جون سب بول سکتے ہیں۔''

Akram Allahabadi

''ویری ویل، سر۔''

اوراس طرح خچر کے پیچھے جنرل گوبر کی آرمی روانہ ہوگئی۔ان کے پیچھے فاصلے سے بالے بھی ان احمقوں سے لطف اندوز ہوتا چل رہا تھا۔

''جنرل سر۔'' کارپورل نے کہا۔

''بولو۔''

''میں بہت غریب آدمی ہوں، پگاڑ بڑھادو۔''

''چار بوتل۔''

''کم ہے۔''

''چار بوتل اور کیپٹن۔''

''کم ہے۔''

''پانچ بوتل اور کیپٹن۔''

''تھینک یو سر۔''

''بکواس مت کرو، دشمن چھپا ہوا ہے جھاڑیوں میں۔ چپ چاپ میرے پیچھے آؤ۔''فرانسس نے چلتے چلتے انھیں مڑ کر ڈانٹا۔وہ دونوں سہم گئے۔پھر جنرل گوبر آہستہ سے کارپورل کے کان میں بولا۔

''نہ جانے یہ خچر اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے؟''

''خچر سمجھتا ہوگا۔'' کارپورل نے بھی سرگوشی کے لہجے میں جواب دیا۔

''شش۔''فرانسس نے پھر مڑ کر انھیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''میرے کان دشمن کے قدموں کی آہٹ سن رہے ہیں، ہچ۔''

''شش۔'' منہ پر انگلی رکھ کر سارجنٹ اور کارپورل نے ایک دوسرے کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

Akram Allahabadi

''میں دشمن کی بو سونگھ سکتا ہوں۔'' یہ کہہ کر کارپورل زمین پر جھک کر زور زور سے ناک سکڑتا ہوا چلنے لگا۔ اچانک ایک جھاڑی سے ایک خرگوش نکل کر بھاگا اور وہ سب اچھل پڑے۔

''وہ رہا۔ وہ بھاگا۔ جنرل آرڈر پلیز، دشمن نکلا جا رہا ہے۔'' کارپورل چیخنے لگا۔

''بھاگ گیا بزدل، نیچ۔ نام سن کر ہی بھاگ گیا۔'' سارجنٹ گوبر نے سینہ پھیلا کر کہا اور بوتل کا آخری گھونٹ بھی چڑھا گیا۔ اس وقت ایک دوسری جھاڑی میں سرسراہٹ ہوئی اور وہ پھر ٹھٹک گئے۔

''دشمن کا ایک بریگیڈ اس کمین گاہ میں بھی چھپا ہوا ہے۔'' کارپورل نے سونگھ کر بتایا۔

''شش۔'' جنرل نے سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''لفٹ۔'' وہ کارپورل سے مخاطب ہوا۔

''کیپٹن۔''

''اوہاں، کیپٹن، بمباری کرو۔''

بس حکم کی دیر تھی کہ تینوں نے اپنی بوتلیں باری باری اس جھاڑی پر پھینک ماریں۔ وہ اپنے منہ سے دھماکوں کی آوازیں نکال رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ایک دوسرا جنگلی خرگوش بھی جھاڑی سے نکل کر بھاگ اٹھا۔

''لینا، لینا، جانے نہ پائے۔'' جنرل چیخا۔

''محاذ فتح ہو گیا، جنرل۔'' فرانسس نے قلقاری بھر کر مبارکباد دی۔

''شاباش اسی بات پر۔ تمہیں کیپٹن سے میجر بنا دیا گیا اور فرانسس کو ہم معزز جناب فرانسس صاحب کا خطاب دیتے ہیں۔'' جنرل نے دریا دلی کا مظاہرہ کیا۔

''نہیں، میں خچر ہوں۔'' فرانسس بدامان گیا۔

''اور یہ دونوں گدھے ہیں۔'' پیچھے سے انھیں بالے کی آواز سنائی دی اور وہ اچھل پڑے۔ بالے کو دیکھتے ہی ان کی مدہوشی ہوا ہوگئی۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے، نگراسے مچی ہوئی آنکھوں سے دیکھ کر سب کے ہاتھ سلام کیلیے اٹھ گئے۔ البتہ لانس کارپورل ابھی تک چوپائے کی طرح کھڑا تھا۔

''سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔'' بالے نے اسے ڈانٹا۔

''سر، میں خچر ہوں۔''

''کس نے بتایا تمہیں خچر؟''

''سر، سارجنٹ کا آرڈر۔''

''سر۔'' سارجنٹ جلدی سے بول پڑا۔ ''میں بالکل بے قصور ہوں، سر۔ میں الو کا پٹھا ہوں۔ سر میں بالکل گدھا ہوں، ہیچ۔ بلکہ ڈبل گدھا ہوں۔'' وہ بالے کی خوشامد کرنے لگا۔

''تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟''

''بھٹی سے... بھٹ... ہمیں سر بھٹی کہ...'' کارپورل بولتے بولتے گھبرا گیا۔

''نہیں، سر، ہم لوگ دشمن کی تلاش میں گئے تھے۔'' اس نے بات پلٹ دی۔

''جب ہی تمہارے قدم لڑکھڑا رہے ہیں۔''

''کہاں؟ وہ تو سر دشمن نے ہماری ٹانگیں توڑ دی ہیں۔'' سارجنٹ نے جواب دیا۔

''سارجنٹ، آج میں تمہاری رپورٹ ضرور کروں گا۔''

''سر، بس ایک بار اور معاف کر دیجیے۔ رام قسم، اب جو پیوں تو میں سارجنٹ نہیں، لانس نائک بلکہ سپاہی...''

''یس سر، اب ایسی غلطی، ہیچ، کبھی نہیں ہوگی۔ ہم کان پکڑتے ہیں۔'' کارپورل نے کہا اور ایک ساتھ تینوں بالے کے سامنے کان تھام کر اٹھ بیٹھ کرنے لگے۔ بالے ہنس دیا۔

''اچھا تم دونوں کیمپ جاؤ اور سارجنٹ، تم میرے ساتھ آؤ۔'' بالے نے انھیں

اشارہ کیا اور وہ جلدی سے سلام کر کے تیز تیز مگر جھومتے ہوئے روانہ ہو گئے۔

''تمہارے منہ سے دیسی شراب کی بو آ رہی ہے، کہاں سے ملی تمہیں یہ؟'' بالے نے پوچھا۔

''سر، کیا آپ کو بھی چلے گی؟'' سارجنٹ رازدارانہ لہجے میں بولا۔

''ہاں، چلو کہاں ملتی ہے۔''

''رام قسم مزا آجائے گا، سر۔ وہاں ایک وہ بھی ہے، سر، پٹاخا۔ سانولی سلونی مگر کیا چیز ہے سر۔''

''چلو آگے چلو۔'' بالے نے اسے آگے کی طرف دھکیلا اور وہ بالے کی رہنمائی کرنے لگا۔

مگر وہ جس جگہ اسے لے کر پہنچا، وہ جھاڑیوں کے درمیان ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی، جس کے عقب میں شراب کی بھٹی کی راکھ پڑی نظر آئی اور اندر سے زمین کھودی پڑی تھی۔ دو ایک ٹین اور دو مٹکے ٹوٹے پڑے تھے۔ شاید کسی خطرے کے پیش نظر وہ لوگ فرار ہو گئے تھے۔

''قبائلی تھے؟'' بالے نے سارجنٹ سے پوچھا۔ جس پر اس نے اثبات میں سر ہلایا، مگر فوراً ہی بالے چونک پڑا۔ اسے اسٹیل کی ایک باریک سلاخ دروازے کے باہر گھاس میں پڑی نظر آئی۔ اس نے اسے اٹھا لیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں کسی خیال سے چمک اٹھیں۔ سارجنٹ کو وہیں چھوڑ کر وہ تیزی سے آگے کی سمت بھاگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

حیرتناک وجود

سائنسداں کرشن کے ساتھ اس کا اسسٹنٹ جاوہوتا تھا اور دو مسلح فوجی آفیسرز جن کا تعلق نکلیئر یونٹ کی تجرباتی شاخ ہی سے تھا، اینٹی ریڈیشن سوٹ پہنے اس جزیرے (بلیک اسپاٹ) پر اترے تھے۔ بڑا فوجی ہیلی کاپٹر انھیں اتارنے کے بعد واپس لے جانے کیلیے بھی وہیں ساحل پر کھڑا تھا۔ ایٹمی ذرات کی بارش اگرچہ ختم ہو چکی تھی، لیکن وہ احتیاطاً یہ لباس پہن کر آئے تھے۔ انھیں یہاں تجربے سے قبل چھوڑے گئے کچھ جانور نظر آئے جو دھماکے کے باوجود زندہ رہ گئے تھے اور شروع کے دنوں میں اپنی پناہگاہوں سے باہر نہیں نکلے تھے۔ ان کا بغور مشاہدہ کرنے کے بعد ان لوگوں نے بھی اپنے سوٹ اتار دیے، کیونکہ گرمی بھی کافی تھی۔ انھیں صرف ایک چیز قابلِ غور نظر آئی اور وہ تھی نباتات کی تباہی۔ زمین جھلسی ہوئی تھی، گھاس جل چکی تھی، لیکن کہیں کہیں محفوظ بھی رہ گئی تھی۔ البتہ تمام درختوں کے پتوں میں لاتعداد باریک سوراخ ہو گئے تھے، جن سے وہ چھلنی نظر آتے تھے۔ ہوا میں آکسیجن صاف تھی، مگر کبھی کبھی سانسوں پر گرانی محسوس ہونے لگتی۔ وہ بڑی دیر تک اپنے مطالع کے نوٹ لیتے پھرے۔ وہ ایک ایک چیز پر بغور ایٹمی ردِعمل کو دیکھ رہے تھے۔ سہ پہر کے قریب انھیں تھکن محسوس ہونے لگی۔ آس پاس جھلسی ہوئی جگہ تھی، البتہ سامنے ایک ٹیلا نظر آ رہا تھا، جس کی طرف ابھی تک انھوں نے دھیان نہیں دیا تھا۔ دور سے یہ ایک احرام جیسی شکل کا اوپر سے کسی قدر نوکدار ٹیلا ہی معلوم ہوتا تھا اور اس کے آس پاس کی سب جگہ صاف تھی۔ وہ اس ٹیلے کی طرف چلنے لگے۔

''اس ٹیلے کا رنگ کیسا ہو گیا ہے، جیسے تارکول کا بہت بڑا ڈھیر رکھ دیا گیا ہو۔'' اسے دیکھتے ہی ایک فوجی افسر حیرت زدہ لہجے میں بول اٹھا۔

''ڈاکٹر، کل اسی علاقے پر دوسری ٹیم کے ساتھ پرواز کرتے ہوئے میں نے اس

ٹیلے کو کسی دوسری جگہ دیکھا تھا۔"

"ایسا کیسے ممکن ہے؟ کیا ٹیلے بھی چلتے ہیں جو جگہ بدل لیں گے؟" ڈاکٹر نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"میں پورے وثوق سے کہہ رہا ہوں۔" افسر نے پھر کہا۔

"ممکن ہے اس جزیرے پر ایسے اور بھی جھلے ہوئے ٹیلے ہوں۔" ڈاکٹر کرشنن بولا۔ آفیسر لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا۔

وہ اس ٹیلے سے ابھی تقریباً سو (۱۰۰) قدم کے فاصلے پر ہی تھے کہ ان کی آنکھیں ایک حیرتناک منظر کو دیکھ کر خوف و حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ ٹیلہ اچانک تھرتھرانے لگا تھا اور پھر ایسا معلوم ہوا ہے جیسے وہ کسی زندہ وجود کی طرح سانسیں لے رہا ہو۔ اور ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک دم سرخ انگارے کی طرح ہو گیا اور پھر اس میں جگہ جگہ سوراخ ہونے لگے۔ یہ سوراخ اپنی اپنی جگہ پھیلتے چلے گئے اور اس ٹیلے میں سامنے کی طرف چھ سات بڑے بڑے دہانے بن گئے۔

وہ ان دہانوں کے ذریعے سانسیں لے رہا تھا اور اس سے قبل کہ فرطِ حیرت سے سکتے میں ڈوبی ہوئی وہ چار افراد کی یہ ٹیم پیچھے ہٹے، انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے ہوا کا کوئی بڑا طاقتور جھونکا انھیں اس سانس لیتے ہوئے ٹیلے کی طرف کھینچ رہا ہو۔ دونوں فوجی افسروں نے فوراً پستول نکال کر اس پر فائرنگ شروع کر دی، مگر لاحاصل۔ وہ تنکے کی طرح کھنچتے ہوئے اس طرح اڑ کر اس کے دہانوں میں داخل ہو گئے جیسے کسی نے پوری قوت سے اٹھا کر انھیں ان دہانوں میں پھینک دیا ہو۔ یہ یقیناً اس ٹیلے کی طاقتور سانسیں تھیں، جن سے وہ خس و خاشاک کی طرح کھنچ کر اس کے دہانوں میں چلے گئے تھے۔ صرف چار بھرائی ہوئی ادھوری چیخیں ہی آخری بار سنی جا سکیں اور اس ٹیلے کے دہانے بند ہونے لگے۔ اس کی سرخی گہری کتھئی رنگ کی سیاہی میں تبدیل ہونے لگی اور وہ پھر اپنی پہلے جیسی کیفیت پر آ کر ہلکی ہلکی سانسیں لینے لگا۔

Akram Allahabadi

یہ واقعہ ایک پتھر کی بت کی طرح اپنی جگہ جما رہ گیا ہیلی کاپائلٹ ہی صرف دیکھ سکا تھا جوان لوگوں کی واپسی میں تاخیر ہونے کی وجہ سے ہیلی کاپٹر اڑا کر انھیں تلاش کرتا پھر رہا تھا اور جس وقت وہ خوف و دہشت کے اس تعطل گیر واقع سے چونک کر گھبراہٹ میں میس کی طرف واپس آرہا تھا، اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں پلٹ پلٹ کر اس ٹیلے کو کسی بڑے مل ڈوزر کی طرح آہستہ آہستہ حرکت کرتے دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆

ہیلی کاپٹر کا پائلٹ کچھ بھی نہ بتا سکا۔ اس نے لینڈ کرتے وقت ہیلی کاپٹر کو ایک چٹان سے ٹکرا کر اس کا پرپلر بھی توڑ ڈالا تھا۔ اس وقت وہ اسپتال میں تھا اور اس کی ذہنی کیفیت ایسی تھی جیسے کوئی سرسام کا مریض ہذیان بکتا ہے۔ پھر بھی چند الفاظ جو لوگوں نے کسی قدر حیرت سے سنے وہ ان کی سمجھ میں نہ آئے۔

"اوہ خدا، وہ سانس لے رہا ہے، وہ زندہ ہے۔" لیکن بار بار سوال کرنے پر بھی اس نے سائنسداں کرشنن، اس کے اسسٹنٹ اور دونوں فوجی افسروں کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ وہ اپنے ہوش میں ہی نہ تھا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب کو دیکھتا اور چیخ مار کر بیہوش ہو جاتا۔ بہر حال پائلٹ کی یہ کیفیت اور ان چار آدمیوں کی گمشدگی ایک معمہ بن گئی تھی، جس پر خود جنرل بھی بہت فکرمند تھا۔ یہ تذکرے خان اور بالے کے کانوں تک بھی پہنچے تھے، لیکن جب تک پائلٹ کی دماغی کیفیت اعتدال پر نہ آتی، کچھ معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ بھی وہ نہیں بتا سکا کہ ان لوگوں کو کہاں لے گیا تھا اور ان کا کیا حشر ہوا۔ بہر حال یہ یقینی سمجھا جا رہا تھا کہ انھیں کوئی حادثہ ضرور پیش آیا ہے۔

بالے نے دن والا تمام واقعہ خان کو بتا دیا تھا اور یہ بھی کہ بہت تلاش کرنے پر بھی ان لوگوں کا کوئی نشان نہ ملا۔ سارجنٹ کے بیان کے مطابق وہ دو آدمی، مرد اور ایک سانولی، مگر

خوبصورت نقوش کی جوان لڑکی یا عورت تھی۔ وہ لوگ اس جھونپڑے میں شراب تیار کر کے خفیہ طور پر فوجیوں کو سپلائی کیا کرتے تھے، مگر جب اس نے وہ راڈ خان کو بتائی تو خان بھی سوچ میں]ڑ گیا۔ اس قسم کی راڈ چھوٹے ٹرانسمیشن سیٹ میں استعمال کی جاتی تھی۔ پھر وہ کون تھے؟ یہ سوال ان کے ذہنوں میں کلبلانے لگا۔ بالے کی اس رپورٹ سے خان کے اس اندازے کو اور تقویت پہنچی تھی جس کے تحت اس نے بالے کو اسپتال کے اس وارڈ پر نگرانی رکھنے کو کہا تھا، جس میں وہ لڑکی زیرِ علاج وہ زیرِ مطالعہ تھی۔

بالے تو اپنی جگہ تھا، لیکن اس وقت خان ایک جیپ لیے ساحلی علاقے کا گشت کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس وقت کرنل سنگھ بھی تھا، جس سے اس کی دوستی ہو گئی تھی۔ اور شاید اس کے سوا کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ کرنل سنگھ کا تعلق سیکرٹ سروس سے ہے۔ رات کے ۱۲ بج چکے تھے۔ مشرقی ساحل پر بلیک اسپاٹ کی سمت میں جو محافظ چوکی قائم تھی، اس پر اس وقت بھی دس مسلح فوجی ایک سارجنٹ سمیت ڈیوٹی دے رہے تھے اور یہ سارجنٹ آج سارجنٹ گوور دھن ہی تھا۔ وہ لوگ ہر خوف و اندیشے سے لاپرواہ تھے۔ سارجنٹ خود اپنے تین آدمیوں کے ساتھ چیک پوسٹ کے اندر بیٹھا تاش کھیل رہا تھا، کیونکہ آج کہیں سے پینے کو نہیں ملی تھی اور طبیعت بہلائے نہیں بہلتی تھی۔ اور ٹھیک اسی وقت بالے اسپتال کے اسٹاف کی ایک نرس سے مریضوں اور امراض کے نوعیت پر بحث کر رہا تھا۔ نرس نوجوان تھی اور پہلے سے اس میس پر کام کرتی تھی۔ اس کا اس یونٹ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ قبول صورت بھی تھی اور پرشباب بھی، اس لیے اسپتال کے انچارج ڈاکٹر میجر ریڈ کی نظریں بھی اس پر تھیں۔ بہرحال آج تو اسے اس نئے آدمی سے پالا پڑا تھا، جو آج ہی تین نمبر وارڈ میں بھرتی ہو کر آیا تھا۔ یہاں مریضوں کے داخلے کو بھی بھرتی ہی کہا جاتا تھا۔ اور جس وقت نرس اس کا ٹمپریچر لینے آئی تو اسے خود ہی شرارت سوجھی۔ اس نے نرس کا ہاتھ کلائی سے ہٹا کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔

"نرس، دل کے مریضوں کی دھڑکن یہاں سے دیکھی جاتی ہے۔"

نرس برا نہیں مانی، بلکہ اسے دلچسپ قسم کا آدمی سمجھ کر اس سے بے تکلف ہوگئی۔ جب اسنے خود اس کے سینے سے ہاتھ نہیں ہٹایا تو بالے اسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔

''ارے، یعنی تمہیں غصہ بھی نہیں آیا؟''

''نرس کو مریض پر غصہ نہیں کرنا چاہیے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''مریضوں کی تو بہت سی قسمیں ہوا کرتی ہیں۔''

''مثلاً؟''

''مثلاً دل کے مریض، پیٹ کے مریض، عقل کے مریض اور...اور...'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''اور کیا؟''

''زبردستی کے مریض۔'' وہ ہنس پڑی۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''ڈاکٹر ریڈ مجھے بتا چکے ہیں کہ آپ کو صرف ایک مرض ہے اور وہ ہے کسی لڑکی کی نگرانی کرنا۔''

''ارے، تم تو بہت سمجھدار نکلیں۔ اچھا تو پھر مجھے کونسی دوا دوگی؟''

''ہوش کی۔''

''مگر تمہیں دیکھ کر تو میرے ہوش خود ہی ٹھکانے آ گئے ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''تم کچھ دو (۲) جوتے آگے نظر آ رہی ہو۔''

''اچھا تو دو جوتے پیچھے ہوئی جاتی ہوں۔''

''نرس۔''

''فرمایئے۔''

Akram Allahabadi

''یا تو تم بہت خوبصورت ہو، یا اس سرزمین پر حسین چہروں کو دیکھنے سے ترسی ہوئی میری نظروں کا قصور ہے۔''

''بھوکے کو جو کی روٹی بھی بڑی لذیذ معلوم ہوتی ہے۔'' وہ یہ کہہ کر ہنس پڑی۔

''ذرا اس لذیذ کی بھی تشریح کر دو۔''

''شی، بیہودے، میں نے مثال دی تھی کہ پہیلی بجھا رہی تھی۔'' وہ بغیر کسی ناراضگی کے ہنس کر بولی۔

''میں نے صرف تشریح طلب کی ہے، ورنہ

خدا گواہ ہے نیت مری خراب نہیں۔''

''خیر، خراب بھی ہو تو میرے سینڈل کی ایڑیاں کافی مضبوط ہیں۔''

''ایکسلنٹ، تم واقعی دوستی کے لائق ہو۔''

''میرا نام لفظ چّو یما ارخاں ہے۔'' بالے نے ہاتھ بڑھایا، مگر وہ اس تعارف پر ہنس پڑی۔

''میرا نام بھی کوئی طوطا مینا نہیں ہے، شری چڑیمار۔''

''نرس بذاتِ خود ایک بڑا لطیف نام ہوا کرتا ہے، زخموں پر مرہم رکھنے والی، مریض کی تیمارداری کرنے والی۔ میں تو اپنی چچی کو بھی پیار سے نرس کہا کرتا تھا، کیونکہ وہ میرے نہالچے تک دھویا کرتی تھیں۔''

''یہ کب کا واقعہ ہے؟''

''یہ قصہ ہے جب کہ آتش دودھ پیتا تھا۔''

''دودھ یہاں بھی مریضوں کو ملتا ہے۔''

''شکریہ، مجھے تو ایک پیالی چائے چاہیے، اگر اسٹاف کے اسٹاک سے چرائی جا سکے، ورنہ کافی بھی چلے گی۔''

''مل جائے گی۔'' وہ یہ کہہ کر ہنستی ہوئی چلی گئی اور بالے پھر اس وارڈ کی طرف متوجہ ہوگیا، جس میں وہ لڑکی تھی۔ وہ اس کے کمرے کے بالکل سامنے تھا اور کھلے ہوئے دروازوں سے وہاں کی ہر چیز اسے صاف نظر آسکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

عفریت

یہ چیخیں سطح سمندر سے ہی سنائی دی تھیں۔ سارجنٹ اپنے ساتھیوں سمیت تاش وغیرہ پھینک کر دوڑ پڑا۔ وہیں پوسٹ کے پاس ہی فوجی موٹر بوٹ موجود تھی جس پر بڑی سرچ لائٹ نصب تھی۔

''جلدی آؤ، صرف پانچ آدمی۔'' وہ خود بوٹ میں کودتے ہوئے ساتھیوں سے بولا اور پانچ اور مسلح سپاہی فوراً کشتی میں کود گئے۔ وہ روانہ ہو گئی اور اس کے ساتھ ہی سارجنٹ نے سرچ لائٹ آن کر دی۔ انھیں سمندر میں دور کوئی سیاہ سی شے نظر آئی اور وہ اسی پر سرچ لائٹ کو مرکوز کر کے اور تیز رفتار سے بوٹ کو دوڑا دی۔ اس عرصے میں ان آوازوں کو سن کر اور پوسٹ پر بھاگ دوڑ دیکھ کر خان کی جیپ کارکنارے پہنچ چکی تھی۔ وہاں موجود باقی فوجیوں نے بتایا کہ وہ چیخیں سن کر گئے ہیں۔

''کیا سمندر میں کوئی بوٹ تھی پہلے سے؟'' خان نے ایک فوجی سے پوچھا۔

''پٹرولنگ بوٹ رہی ہوگی۔'' وہ بولا۔

''اوہ۔'' خان سوچ میں پڑ گیا۔

لیکن ابھی دو منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ انھیں پھر کچھ چیخیں سنائی دیں اور اس بار انھوں نے سارجنٹ کی بوٹ کو جس پر سرچ لائٹ نصب تھی الٹتے دیکھا۔ اس کی روشنی کسی سیاہ سی شے پر پڑ رہی تھی اور پھر وہ روشنی اور بوٹ اور چیخیں سب غائب ہو گئیں۔

''کم آن، کرنل۔ کوئی خطرناک معاملہ معلوم ہوتا ہے۔'' کرنل سنگھ نے خان کو گھسیٹنا چاہا، مگر خان نے اسے روک دیا۔

''کیا حماقت کر رہے ہیں آپ۔ دیکھا نہیں اس بوٹ کو بھی کچھ ہو گیا ہے۔'' وہ

Akram Allahabadi

بولا۔پھر وہ سپاہیوں سے مخاطب ہوا۔''اپنے ساتھیوں کو اور سارجنٹ کو پوری قوت سے چیخ کر آوازیں دو۔''فوجی فوراً تعمیلِ حکم کرنے لگے،لیکن فوراً تو انھیں کوئی جواب نہیں ملا،البتہ چوتھی پانچویں بار آواز دینے پر ایسا معلوم ہوا جیسے بہت مدھم آواز میں کوئی جواب ملا ہو۔

''کیا پوسٹ کی لائن آن کر دی جائے؟''ایک سپاہی نے پوچھا۔

''نہیں، بلکہ ساحل پر اور دور تک پھیل کر آوازیں دو تا کہ وہ خطرہ ناک کی سیدھ میں تمہارے ہی سر پر نہ آ پہنچے۔''خان نے کہا۔

چنانچہ اس بار فوجی کنارے کنارے دوڑتے ہوئے دور تک منتشر ہو گئے اور انھوں نے سمندر میں گئے اپنے ساتھیوں کو پکارنا شروع کر دیا۔انھیں اس بار کوئی جواب نہیں ملا۔

''خاموش مت رہو،پکارتے رہو۔''خان نے پکار کر کہا۔

''سمندر کی موجوں کے شور میں چھ پتا نہیں چلتا۔بوٹ کی بھی آواز تو نہیں سنائی دے رہی ہے۔''کرنل سنگھ نے سمندر کی طرف کان لگائے ہوئے کہا۔

''ضرور کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے۔''خان بڑبڑایا۔

آوازیں دی جاتی رہیں،لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔خان پھر بھی وہیں کھڑا رہا۔کرنل سنگھ کچھ اکتاہٹ محسوس کر چلا تھا کہ اچانک انھیں سمندر کی طرف سے ایک گھبرائی ہوئی ڈوبتی سی آواز سنائی دی۔جیسے کوئی بچاؤ چیخا ہو۔

''اس پر خان نے فوراً اپنی ٹارچ روشن کر دی۔انھیں ریتلے ساحل سے تقریباً سو (۱۰۰) گز دور پانی میں ہچکولے کھاتا نظر آیا۔وہ کوئی آدمی ہی تھا،جس کے بازو شاید شل ہو چکے تھے اور اس آخری پکار کے بعد شاید اس نے خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا تھا۔

دو سپاہی خان کا اشارہ پاتے ہی پانی میں کود پڑے اور تھوڑی دیر میں اسے نکال لائے۔انھوں نے اسے ساحل پر لا کر ریت پر اوندھا پٹک دیا۔وہ زندہ تھا۔کرنل سنگھ نے ٹارچ کی روشنی ڈالی اور خان نے جب اسے پلٹا تو وہ سب حیرت سے چونک پڑے۔وہ سارجنٹ

گوبر تھا۔

اسے جب ہوش میں لایا گیا تو اس نے ایک بار آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے کے بعد ایک چیخ ماری اور پھر بیہوش ہوگیا۔

''اسے اسپتال لے چلیے۔'' خان کرنل سنگھ سے بولا۔

''لیکن اس کے ساتھی؟'' کرنل سنگھ نے کہا۔

''وہ یا تو ڈوب چکے ہیں، یا انھیں کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔''

''تم لوگ یہیں ٹھہر کر نگرانی کرو، ہم کوئی ریسکیو پارٹی بھیجنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' خان سپاہیوں سے مخاطب ہوکر بولا۔ وہ سب اٹینشن ہوگئے۔ اب وہ صرف پانچ ہی رہ گئے تھے۔ خان اور کرنل سنگھ اس وقت بیہوش سارجنٹ کو جیپ کار میں ڈال کر اسپتال لے گئے۔

☆☆☆☆☆☆

بالے خان کو دیکھتے ہی چونک پڑا۔

''ارے آپ یہاں؟''

''ایک عجیب واقعہ ہوگیا ہے ابھی ابھی۔'' خان نے یہ کہہ کر اسے سب کچھ بتادیا۔

بالے بھی اس کے ساتھ سارجنٹ کے کمرے میں آپہنچا۔ سارجنٹ ہوش میں آچکا تھا، لیکن وہ حیران حیران سا چاروں طرف دیکھ رہا تھا، چونکا ہوا۔

''کچھ بولتا ہی نہیں۔'' ڈاکٹر زیڈ نے بتایا۔

''اوہ، آپ اسے دو پیگ برانڈی دیجیے، ابھی بولنے لگے گا۔'' بالے نے مشورہ دیا۔

اور واقعی یہ مشورہ کارگر ثابت ہوا۔ سارجنٹ کے پیٹ میں جیسے ہی برانڈی گئی، اسے دنیا ہیچ نظر آنے لگی۔ چہرے پر خون کی زردی کی جگہ اطمینان کی کیفیت نمودار ہوگئی اور

آنکھوں کی ٹھس مٹ گئی۔اس نے باری باری ان کے چہرے دیکھے اور سر جھکا لیا۔

''کیا بات تھی سارجنٹ؟ تم نے کیا دیکھا تھا؟'' خان نے اس سے سوال کیا۔

''وہ...وہ کوئی مخلوق تو نہیں ہو سکتی، مگر اف وہ زندہ تھی۔'' وہ سہمے ہوئے سے انداز میں بولا۔

''تم نے دیکھا کیا تھا؟''

''ہم...ہم اس جگہ پہنچے جہاں سے ہمیں چیخیں سنائی دی تھیں۔وہاں ہمیں شکستہ موٹر بوٹ کے کچھ ٹکڑے تیرتے نظر آئے اور...اف پناہ خدا۔ہم ابھی یہ جاننے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ بوٹ کو کس قسم کا حادثہ پیش آیا، آدمی ڈوب گئے یا کوئی بچا بھی ہے، کہ ہمارے بوٹ سے صرف سو قدم دور سمندر سے کسی بڑی سی سیاہ سی شے نے سر نکالنا شروع کیا۔پانی کے اچھلتے ہی ہم چونک پڑے تھے۔ہم نے سرچ لائٹ کا رخ فوراً اس کی طرف کر دیا۔مگر وہ تو ابھرتی ہی آ رہی تھی۔پھر، پھر رفتہ رفتہ انگاروں کی طرح دہکنے لگی۔اس کی کوئی جسامت نہ تھی، بالکل جیسے تازہ خون میں لتھڑا ہوا کوئی بہت بڑا گوشت کا ٹکڑا ہو۔کسی بڑے ٹیلے کے برابر۔اور پھر وہ زور زور سے سانسیں لینے لگا۔اس کی شکل اس وقت کچھ ایسی ہو گئی تھی جیسے لٹکے ہوئے جبڑوں والا کوئی بہت بڑا بلڈاگ ہو یا جیسے اس کی کوئی شکل ہی نہ ہو۔مگر وہ زندہ تھا۔اس کے سانسیں لینے کی آوازیں کسی اژدھے کی پھنکار سے بھی زیادہ تیز تھیں۔ہم ابھی سکتے کے عالم میں اسے دیکھنا اور سمجھنے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ اس زندہ پہاڑ میں س طرح پانچ چھ روزن پیدا ہو گئے جیسے درندوں نے اپنے منہ کھول دیے ہوں۔یہ روزن بڑھتے گئے، یہاں تک کہ گول بڑے دہانوں کی طرح نظر آنے لگے اور پھر ان دہانوں نے اتنی زور اور طاقت کی سانس کھینچی کہ صرف میں اور ایک سپاہی ہی کشتی سے کود سکے، ورنہ کشتی باقی چار آدمیوں کے ساتھ تیر کی طرح کھنچتی ہوئی اس کے اس کے ایک دہانے میں جا گھسی۔اس کے بعد کچھ نظر نہ آیا۔ہم نے عقلمندی یہ کی تھی کہ پانی میں گہرا غوطہ لے کر ہم بے تحاشہ بھاگنے لگے تھے، مگر اتنا دیکھ سکے تھے کہ وہ نامعلوم

بلاموٹر بوٹ سمیت ہمارے آدمیوں کو کھا گئی تھی۔اس کے دہانے اب بند ہونے لگے تھے اور کچھ دیر بعد وہ سرخ سے سیاہی مائل ہو کر آہستہ آہستہ پانی میں ڈوب گئی۔''

سارجنٹ کا بیان ریکارڈ کر لینے کے بعد بھی بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔جس وقت سارجنٹ کو فوجی اور غیر فوجی سائنسدانوں اور اعلیٰ افسروں کی مشترکہ میٹنگ میں پیش کیا گیا تو وہ اپنے بیان سے زیادہ کسی سوال کا جواب نہ دے سکا۔وہ رات کی تاریکی میں نہ تو اس چیز کو ٹھیک سے دیکھ سکا تھا نہ ہی اسے اتنی مہلت ملی تھی۔بہر حال سارجنٹ کو رخصت کر دیا گیا تھا اور وہ لوگ سر جوڑ کر ان واقعات پر سوچنے بیٹھ گئے۔

''ایسی کونسی چیز ہو سکتی ہے،کرنل؟''جنرل کرنل سنگھ سے پوچھنے لگا۔

''بغیر دیکھے تو کچھ اندازہ نہیں کیا جا سکتا،ویسے ممکن ہے یہ ان سازشوں کا ہی سلسلہ ہو جو ہمارے تجربات کو ناکام بنانے کیلیے کی گئی ہیں۔''کرنل نے کہا۔

''ساحلی علاقے میں پہرہ سخت کر دیجیے اور اس طرف جہاں یہ کیس ہوا ہے،ٹینک بھی ساحل پر لگا دیے جائیں۔''

''میرا خیال ہے ہمیں خود چل کر حالات کا عینی مشاہدہ کرنا چاہیے۔''سائنٹسٹ مسٹر کرشنن اپنے اسسٹنٹس اور دو افسروں کے ساتھ اب تک لاپتا ہے،کہیں وہ بھی تو کسی واقع کا شکار نہیں ہو گئے۔''کرنل لاک ہارٹ نے دخل دیا۔

''ممکن ہے وہ کہیں دور نکل گئے ہوں،یا ممکن ہے قبائلی علاقے میں چلے گئے ہوں۔''جنرل نے خود رائے دی۔

''صبح وہاں بھی آدمی بھیجے گئے ہیں۔''کرنل سنگھ نے کھڑے ہو کر بتایا۔''وہ لوٹنے والے ہی ہوں گے۔''

''ایکسکیوزمی سر۔''ایک میجر نے کھڑے ہو کر ادب سے کہا۔''وہ لوگ واپس آ چکے ہیں۔مسٹر کرشنن،ان کے ساتھی اور دونوں فوجی سائنسدانوں کا کہیں پتا نہیں چلا۔''

''اور وہ پائلٹ ابھی تک ہوش میں نہیں آیا؟''

''جی نہیں، البتہ وہ سائیکوگراف میں آڑی ٹیڑھی لکیروں سے جو شکلیں بنا رہا ہے، وہ کچھ اس قسم کی ہیں۔ مثلاً کوئی پہاڑ یا ٹیلا جس میں کئی سوراخ ہوں۔'' خان نے جنرل کو تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''تو چلیے، ہم خود ہیلی کاپٹر سے اس علاقے کا معائنہ کرتے ہیں۔'' جنرل نے فیصلہ کیا۔

اس نے خان، بالے اور فوجی سائنٹسٹ کرنل لاک ہارٹ کو ساتھ چلنے کیلیے منتخب کر لیا۔ ایک پائلٹ آفیسر ہیلی کاپٹر کو پائلٹ کرنے کیلیے مقرر کر دیا گیا۔ یہ دوسرا بڑا فوجی ہیلی کاپٹر تھا، جس میں سرچ لائٹ بھی نصب تھی، حالانکہ دن میں اس کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ سائنسدانوں کی ایک ٹیم جو دو سنیئر اور تین جونیئر سائنٹسٹ پر مشتمل تھی۔ ایک کار میں ساحلی علاقے کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔ کرنل سنگھ نے وائرلیس پر یونٹ کے آپریشن کمانڈ کو ہدایت کر دی تھی کہ خطرے والے علاقے میں ٹینک روانہ کر دیے جائیں اور فوجی محافظوں کی بڑی تعداد کو ساحل پھیلا دیا جائے۔ اور اسی وقت ٹینک اور فوجی ساحلی علاقے کی طرف روانہ کر دیے گئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ٹینک بھی نگل گیا

بالے نے جیپ کار اسپتال کے دروازے پر روک لی۔ وہی نرس باہر کھڑی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرادی۔

''ہیلو۔''

''ویل مس نرس، ہاؤڈویوڈو؟''

''آپ تو غائب ہی ہو گئے اسپتال سے۔'' وہ مسکرائی۔ ''کیا مرض اچھا ہو گیا؟''

''ہائے، یہاں تو وہی حساب ہے کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔''

''کسی اچھے ڈاکٹر کی دوا کی ہوتی۔''

''تم سے اچھا تو کوئی نظر نہیں آرہا یہاں۔''

''چھی، آ گئے اوقات پر۔''

''صرف بعض اوقات۔''

''کیا کام ہے؟''

''بس الوداع کہنے آیا تھا۔''

''کیوں، خیر تو ہے؟''

''سمندر میں ایک عفریت نمودار ہو رہا ہے، اس سے کشتی لڑنے جا رہا ہوں۔''

''عفریت؟''

''ہاں، وہ بہت سے آدمیوں کو کھا گیا ہے؟''

''مذاق نہ کرو۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

Akram Allahabadi

''تو تم نہ جاؤ۔'' وہ سنجیدہ ہوگئی۔

''کیوں؟'' باے نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''بس کہہ تو دیا نہیں۔''

''ارے، یعنی آپ حق جتا رہی ہیں گویا۔''

''حق؟ مجھے بھلا کیا حق ہوسکتا ہے تمہیں روکنے کا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ فرطِ جذبات سے آبدیدہ ہوگئی اور باے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔

بعض اوقات اس کے مذاق خطرناک ہوجایا کرتے تھے۔اس نے محض تفریحاً اس نرس سے دوستی کی تھی، مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور نظر آرہا تھا۔''تو بھگتو بیٹے سارجنٹ۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔مگر پھر سنبھل گیا۔

''میں مرنے تھوڑی ہی جارہا ہوں، میں تو صرف دیکھنے جارہا ہوں۔''

''مگر سنا ہے وہ دور سے آدمیوں کو کھینچ لیتا ہے؟''

''تم بھی تو یہی کرتی ہو۔''

''آ گئے مذاق پر۔''

''زندگی کو اگر ایک دلچسپ مذاق نہ سمجھا جائے تو وہ ایک مستقل عذاب بن جائے۔''

''تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ تم صحیح سلامت واپس آؤ گے۔''

''کمال ہے، یعنی انسان کو یہ حق خود اختیاری کب سے مل گیا ہے۔''

''میں سچ کہتی ہوں، تمہیں آنا ہوگا۔میں تمہارا انتظار کروں گی۔''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں، شوق سے۔اچھا اس مریضہ کا کیا حال ہے؟''

''اس کے چہرے کی سوجن کم ہورہی ہے۔اور ہاں، میں بتانا بھول گئی، ابھی کچھ دیر پہلے دو(۲) ملٹری پولیس کے آدمی اسے دیکھنے آئے تھے۔''

''ملٹری پولیس کے آدمی؟'' بالے چونکا۔

''ہاں، کیوں؟''

''تعجب ہے۔ حالانکہ یہ معاملہ براہِ راست ہمارے ہاتھ میں ہے۔''

''تو پھر؟''

''اچھا سردست تم اتنا کرنا کہ اگر وہ پھر آئیں تو ایکسچینج سے ۰۳۱ مانگ کر مجھے، یا جو بھی وہاں ملے، فون کر دینا۔ کرو گی نا، میری خاطر؟'' آخری ٹکڑا اس نے بڑے رومانی لہجے میں کہا۔

''ہاں ہاں، ضرور کروں گی۔'' وہ مسکرا دی۔ اور بالے ٹاٹا کرتا ہوا جیپ بڑھا لے گیا۔ ہیڈ کوارٹرز کے سامنے میدان میں وہ لوگ اس کے منتظر تھے۔

خان بالے کو دیکھ کر بگڑ گیا کہ وہ کہاں رہ گیا تھا، مگر جب بالے نے شب والی رپورٹ سنائی تو وہ مطمئن ہو گیا۔

اسی وقت جنرل بھی آ پہنچا اور وہ چاروں ہیلی کاپٹر میں روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆

فوجیوں کی آنکھیں اس منظر کو دیکھ کر حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ دور سے اس زندہ اور عجیب چیز کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے، جو سمندر سے نکل کر ریتلے ساحل پر پڑی سانسیں لے رہی تھی۔

وہ چمڑے جیسی گہری رنگت کا ایک ٹیلہ ہی معلوم ہوتا تھا، جس پر چکنی اور مسامات والی جلد تھی۔ وہ سانس لے رہا تھا اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ کلبلانے لگتا۔

وہ یقیناً کوئی سمندری عفریت تو نہیں تھا۔ کیونکہ سرے سے اس کی کوئی شکل ہی نہیں تھی۔ اوپر کی طرف دو کوہان ضرور اٹھے نظر آ رہے تھے اور نظرِ غور سے دیکھا جائے تو ایسا معلوم

ہوتا تھا جیسے کوئی بہت بڑا مینڈک بیٹھا ہے، جس کے اعضاء کا پتا نہیں اور منہ اور آنکھیں بھی نہیں ہیں، لیکن کون جانے کہ اس پراسرار دیو پیکر وجود کی آنکھیں کہیں تھیں بھی یا نہیں۔ کرنل سنگھ کی ہدایت پر وہ لوگ دور سے گھیرا ڈال رہے تھے اور ٹینک بھی تین سمت سے اس پر نشانہ باندھے ہوئے تھے۔

''فائر'' اچانک کرنل سنگھ چیخا۔ اور ٹینکوں نے تین انچ کے گولے برسانے شروع کر دیے۔ وہ فائر کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے اور اس طرح فوجی بھی جو ٹینکوں کی اوٹ سے پیدل بڑھ رہے تھے۔

سائنسدانوں کی ایک ٹیم اوپر ایک چٹان پر کھڑی دوربین سے یہ منظر دیکھ رہی تھی اور ڈاکٹر بوس حیران تھا کہ اس کا ریڈیو ایکٹیوٹی انڈیکٹر برابر اس وجود کی سمت اسپارک کر رہا ہے۔ اس کی ٹک ٹک انھیں حیرت میں ڈال رہی تھی۔

لیکن اوپر سے ہیلی کاپٹر میں یہ منظر دیکھ کر خود جنرل بھی سکتے میں آ گیا کہ توپوں کے دہانوں سے نکلنے والے گولے جب اس پراسرار عفریت کے جسم پر پڑتے تو اس کے جسم میں سوراخ ہو جاتا جو پہلے تو پچاک کی آواز کے ساتھ پھیل جاتا، لیکن یہ سوراخ اس طرح سکڑ کر بھر جاتے جیسے دلدل میں کسی نے پتھر پھینکا ہو۔

فوجیوں نے مشین گنوں سے گولیاں برسانی شروع کر دیں، مگر ان گولیوں کا بھی وہی حشر ہوا جیسے وہ کسی دلدل میں گر رہی ہوں۔

اچانک اس پراسرار وجود نے جھرجھری لی اور پھولنا شروع ہو گیا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ پھول کر ایک بڑے ٹیلے کے برابر ہو گیا اور زور زور سے سانسیں لینے لگا۔ سانسوں کی آواز میں خرخراہٹ پیدا ہونے کے ساتھ اس کا جسم سرخ ہوتا گیا اور پھر اس میں کئی سوراخ پیدا ہو گئے جو پھیل کر بڑھتے گئے۔ اب وہ ان سوراخوں سے سانس لے رہا تھا اور پھر...

ایک، دو، تین یکے بعد دیگرے پانچ ٹینک اس کے سوراخوں میں اس طرح کھینچ کر

چلے گئے جیسے کسی مشینی قوت نے انھیں دھکیل دیا ہو اور جو بچ رہے وہ اس بری طرح حواس باختہ ہو کر بھاگے کہ انھیں نہ کسی آفیسر کا ہوش رہا نہ کسی کمان کا۔

''ریٹریٹ۔'' جنرل کا حکم انھیں وائرلیس پر سنائی دیا۔ وہ اوپر سے بولا تھا۔ اور پھر جس کا جدھر سر اٹھا وہ بھاگ اٹھا، مگر وہ سائنسداں ابھی تک اس ٹیلے پر جمے تھے۔ میدان صاف ہو گیا، مگر وہ پراسرار وجود اپنی جگہ موجود تھا۔ اس کے سوراخ آہستہ آہستہ بند ہو گئے اور وہ پھر اس طرح کلبلانے لگا جیسے ان زندہ انسانوں کو ہضم کر رہا ہو۔

''آئی کانٹ سی ویٹ۔'' جنرل آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر چیخا۔

اور اب وہ پراسرار عفریت آہستہ آہستہ ریت پر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا جسم اتنا ملائم تھا کہ نشیب و فراز اس کیلیے کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ وہ کسی ٹینک کی طرح بڑھتا چلا آ رہا تھا، یا جیسے وہ کوئی کھولتے لاوے کا ڈھیر ہو۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

معجزہ

تھوڑی دیر بعد ہی تمام فوجی اور آفیسرز ہیڈ کوارٹرز کے سامنے میدان میں جمع ہو گئے۔اس وقت جنرل مع سائنسدانوں اور اعلیٰ افسروں کے کانفرنس روم میں تھا جس کے دروازے بند تھے۔

"جنرل، ہمیں یہ مقام فوراً چھوڑ دینا چاہیے، ورنہ ہم میں سے کوئی زندہ نہ بچے گا۔" ایک فوجی سائنٹسٹ نے جنرل کو مشورہ دیا۔

"لیکن تاوقتیکہ ہم اس مصیبت کی نوعیت نہ جانیں، ہم یہ فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں؟" جنرل نے بے بسی سے کہا۔

"میں بتاتا ہوں۔" ڈاکٹر واس اٹھ کھڑا ہوا۔اور سب چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔وہ خاموش سوالیہ نظروں سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔

"یہ عفریت تمہارے ایٹم بموں کے ادھورے دھماکوں کی پیداوار ہے۔" ڈاکٹر بوس نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"کیا؟" جنرل اچھل پڑا۔دوسرے بھی حیران رہ گئے، لیکن خان شاید اس سے متفق نہ تھا۔وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"ہاں، یہ تمہارے ادھورے دھماکوں کی پیداوار ہے۔مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ صرف ایٹم منتشر ہوئے ہیں، ان کے مغز نہیں پھٹے ہیں۔اس لیے یہ سالم اور زندہ ایٹم ضرور کوئی خطرناک ردِعمل پیدا کریں گے۔اور اب مجھے یہ کہنے میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ڈاکٹر شنکر اور ان کے ساتھی بھی اسی کی اسٹیڈی کرتے ہوئے اس ایٹمی عفریت کے پیٹ میں تحلیل ہو چکے ہیں۔"

اس انکشاف نے سب کو لرزہ براندام کر دیا۔ان کے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔

Akram Allahabadi

''میں دوربین سے بڑے غور سے اس کا مطالعہ کر رہا تھا اور انڈیکٹر بھی مسلسل اسی عفریت کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔اس کی جلد پر میں نے جو مسامات دیکھے ہیں، وہ انسانی جسم کے مسامات سے زیادہ مختلف نہیں ہیں، لیکن ان کی تہ بہت موٹی ہے اور وہ زندہ ایٹم کے ملاپ سے بنے ہیں۔میں سمجھتا ہوں کہ کسی گہرائی میں یا کسی ایک جگہ سالم ایٹموں کی بارش زیادہ ہوئی ہے اور ان زندہ ایٹموں کے ملاپ سے بس ایک با حرکت وحیات وجود ظہور میں آ گیا ہے جو کسی سانچے یا انعکاس کے بغیر کسی با قاعدہ جسمانی حیثیت میں نہیں ڈھل سکا اس لیے موجودات میں سے کوئی شکل اختیار کی۔زندہ ایٹموں کی بھوک اور زیادہ اور زیادہ طلب کرتی جاتی ہے اور یہ بھوک کبھی نہ بجھ سکے گی تاوقتیکہ اس عفریت کو تباہ کرنے کا کوئی ذریعہ حاصل کیا جائے۔وہ ہم سب کو تباہ کر سکتا ہے اور وہ جس قدر کھاتا جائے گا اسی قدر اس کی جسامت بڑھتی جائے گی اور جسامت کے ساتھ ہی اس کی بھوک بھی۔''

ڈاکٹر بوس یہ کہہ کر ان کے حیرت زدہ چہروں کی طرف دیکھنے لگا۔

''مگر ڈاکٹر یہ ایٹم تو، میرا مطلب ہے بم سے خارج ہونے والے ایٹم تو...'' کرنل لاک ہارٹ نے کہنا چاہا، مگر ڈاکٹر بوس نے بات کاٹ دی۔

''یہ میں کہہ چکا ہوں کہ یہ انسانی اجزائے ترتیب کا سوال نہیں ہے، اگر یہ ایسے زندہ ایٹموں کا مجموعہ ہوتا تو جو موجودات کی شکلیں اختیار کرتے ہیں تو اس کی شکل اور جسامت کسی بھی وجود سے ملتی۔یہ ایک قطعی مختلف چیز ہے اور چارج کیے ہوئے ایٹموں کی برقی حرارت کی سبب اندر سے وہ ایک ایسی بھٹی کی مانند ہے جو فولاد کو بھی پگھلا کر اپنے اندر تحلیل کر لے۔میرے دوستو، میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر عفریت ہزار دو ہزار انسانوں کو کھا گیا تو اس کی حیثیت بدل کر انسانی شکل اختیار کر لے گی۔اور وہ ایک اتنا بڑا دیو بن جائے گا جس کا سر آسمان سے ٹکرائے اور پیر پہاڑوں کو کچلتے چلیں۔'' ڈاکٹر یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''خدا کیلیے اس کا کوئی علاج تجویز کیجیے، ڈاکٹر۔'' جنرل نے مردہ سی آواز میں کہا۔

''میرے یا میری یونٹ کے یا ہمارے ناکام تجربے کی وجہ سے اگر ہمارے ملک کا مستقبل خطرے میں پڑا، یا ہمارے عوام کی جانوں پر عذاب آیا تو ہمارے لیے اس سے زیادہ شرمناک بات کوئی نہ ہوگی۔ ہم ایسی پسپائی سے یہیں اس عفریت کی خوراک بن جانا پسند کریں گے۔'' اس کا لہجہ پھر جوشیلا ہوگیا۔

''یہ بلاضرور ہمارے ملک کے ساحلوں کی طرف بڑھے گی۔'' خان نے کہا۔

''یہ ساری مصیبت ان سازشیوں کی لائی ہوئی ہے جنھوں نے ہمارے تجربات کا ناکام بنایا ہے۔ ہم سائنسدانوں نے پہلے سے اس امکان پر غور نہیں کیا تھا کہ اگر بم پھٹنے کے باوجود ایٹم کے مغز کا انتشار نہ ہوا تو کیا ردِعمل ہوگا۔'' ڈاکٹر لاک ہارٹ افسوس زدہ لہجے میں بولا۔

''جنرل، ہمیں جو کچھ کرنا ہے، جلد کرنا چاہیے۔'' خان جنرل سے مخاطب ہوا۔

''آپ کی کیا تجویز ہے؟''

''ہمیں یہ جزیرہ فوراً چھوڑ دینا چاہیے۔''

''ناممکن ہے۔'' جنرل میز پر گھونسا مار کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ''ہم فوجی اس عفریت کا یہیں مقابلہ کریں گے۔ ہم پیٹھ دکھا کر بھاگنے والوں میں سے نہیں، خصوصاً جب ہم جانتے ہیں کہ یہ مصیبت ہمارے ملک کے ساحلوں تک جا پہنچنے والی ہے۔'' جنرل نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ ایک بڑا اور دوسرا طاقتور ایٹم بم ہی اس عفریت کو تباہ کر سکتا ہے اور کوئی صورت میری سمجھ میں نہیں آتی۔'' ڈاکٹر بوس بولا۔

''اور ہمارے اسٹاک میں ایسا کوئی بم نہیں ہے۔'' جنرل نے کہا۔

''ہم اپنی حکومت کی معرفت کسی دوسرے ملک سے ایک بم ادھار بھی لے سکتے ہیں۔'' کرنل لاک ہارٹ نے تجویز پیش کی۔

لیکن اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک لفٹین اندر آ پہنچا۔

''سر، ایک رپورٹ آئی ہے۔''

''کیا؟'' جنرل فوراً ہی اس کی طرف مخاطب ہو گیا۔

''ساحلی علاقے کے نزدیک جو جنگل ہے وہاں چند قبائلیوں کے جھاڑیوں میں چھپے ہوئے جھونپڑے تھے۔ یہ لوگ فوجیوں کو ناجائز شراب سپلائی کرتے تھے۔''

''کیا یہ اس قسم کی بیہودہ رپورٹوں کا موقع ہے؟'' جنرل بگڑ گیا۔

لفٹننٹ گھبرا گیا۔ ''مگر سر، وہ مانسٹر ان سب کو کھا گیا ہے۔'' اس نے کہا۔

''اوہ، تو یعنی وہ اب اس طرف بڑھ رہا ہے۔'' جنرل سوچ میں پڑ گیا۔

''یس سر۔'' لفٹننٹ اٹینشن رہ کر بولا۔

''جنرل، یہ قبائلی دراصل ہماری دشمن طاقت کے وہی سازشی جاسوس تھے۔ مجھے ان کی موجودگی کی رپورٹ کل ہی ملی تھی۔ وہ جنگل میں فرار ہو گئے تھے۔'' خان نے بتایا۔

''چلیے، خس کم جہاں پاک۔''

''لیکن اب تو وہ مصیبت یہیں آ رہی ہے۔''

''ڈاکٹر بوس، آپ اور کرنل لاک ہارٹ دونوں ریڈیو میسیج کے ذریعے ڈیفنس منسٹر کو تمام حالات سے مطلع کر کے ان سے درخواست کیجیے کہ قریب ترین ایٹمی فضائی اڈے سے ایک ایم بم حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ تب تک ہم اس عفریت کو روکنے کی کوشش کریں گے، چاہے ہمیں اپنے جسموں کو اس کی خوراک ہی کیوں نہ بنانا پڑے۔''

''ویری ویل سر۔'' کرنل لاک ہارٹ کھڑا ہو گیا۔

یہ خفیہ میٹنگ ابھی برخاست ہونے ہی والی تھی کہ انھیں باہر عجیب سا شور سنائی دیا۔ یہ فوجیوں کا شور تھا جو چیختے چلاتے بھاگتے آ رہے تھے۔

تمام آفیسر معہ جنرل کے دوڑ کر باہر نکل آئے۔ انھیں میدان کے اس سرے پر فوج کے آدمی بے تحاشا گرتے پڑتے اسی طرف دوڑتے نظر آئے۔ وہ چیخ رہے تھے۔

Akram Allahabadi

''وہ آرہا ہے۔''

او خدا، اب کیا کیا جائے؟'' جنرل بے بسی سے ہاتھ ملنے لگا۔''میں اپنی آنکھوں سے اپنے جوانوں کو اس کی خوراک بنتے نہ دیکھ سکوں گا۔'' وہ اپنے سر کے بال پکڑ کر چیخ اٹھا۔

''جنرل، اسٹاپ پلیز۔'' خان بھی اور دوسرے آفیسرز بھی دوڑے، مگر جنرل پر اس وقت جنون سوار تھا۔ بھاگنے والے فوجی ہیڈ کوارٹرز کے نزدیک پہنچ گئے تھے، لیکن سراسیمگی میں انھیں گمان بھی نہ ہوا کہ ان کا سردار، ان کا بہادر جنرل خود ان کی بے بسی پر قربان ہونے کیلیے سب سے آگے موت کے منہ میں جا رہا ہے۔ تمام آفیسرز چیختے پکارتے چلے آرہے تھے۔

اچانک دوسری طرف فوجیوں میں سے ایک آدمی لڑکھڑاتا ہوا نکلا۔ وہ سارجنٹ گوبر تھا۔ وہ اس وقت بھی نشے میں معلوم ہوتا تھا۔ وہ دوڑ کر بڑی قوت سے جنرل سے ٹکرایا اور جنرل گر پڑا۔

''جنرل سر۔'' وہ وہیں کھڑا ہو کر سلیوٹ کرنے لگا۔

''ابھی ہم سپاہی موجود ہیں، ابھی سارجنٹ گوبر زندہ ہے اپنے جنرل پر قربان ہونے کیلیے۔''

''ہٹ جاؤ۔'' جنرل چیخا۔

اس وقت سامنے میدان کے کنارے اونچائی پر اس عفریت کا سر ابھرنا شروع ہو گیا تھا۔ سارجنٹ میں اس وقت بلا کی طاقت آ گئی تھی۔ اس نے جیب سے ایک فیتہ، جو شاید اس کے لانگ بوٹ کا بند تھا، نکال کر پوری طاقت سے جنرل کے دونوں ہاتھ پشت پر کھینچ کر باندھ دیے اور حقیقتاً وہ جسامت میں جنرل سے تگڑا بھی تھا، موٹا معلوم ہوتا تھا تو کیا ہوا۔

پھر اس نے جنرل کو زمین پر گرا کر جوتے سے دوسرا فیتہ نکال کر اس کے پیر بھی باندھ دیے۔

''انھیں لے جاؤ۔'' وہ قریب آتے ہوئے آفیسروں کی طرف دیکھ کر چیخ کر بولا اور

Akram Allahabadi

خود بڑی تیزی سے بھاگتا ہوا اس جگہ جا کھڑا ہوا، جہاں سے عفریت کا سر ابھر رہا تھا۔

"آؤ، آؤ سالے، انسانیت کے دشمن، عفریت کے بچے، آؤ پہلے مجھے کھاؤ، دیکھو میں تمہارا نوالہ حاضر ہوں۔"

وہ دیوانوں کی طرح چیخنے لگا اور دوسرے ہاتھ سے وہ برانڈی کی بوتل گھماتا جاتا تھا۔ تمام لوگ دور ٹھہر کر میدان کے سروں پر پرا باندھے کھڑے ہو گئے تھے۔ ان کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ آگے بڑھیں، مگر یہی کیا کم تھا کہ وہ بھاگنے سے رک گئے تھے۔ صرف ایک آدمی کی جرأت کی وجہ سے اور جنرل کو آفیسر زاٹھا کر لے جا چکے تھے۔

عفریت اب میدان کے سرے پر ایک زندہ اور حرکت کرتے ہوئے ٹیلے کی طرح ابھر آیا۔

"کھاؤ مجھے، سور۔ میں سارجنٹ گوورڈھن ہوں، جس نے زندگی میں کوئی کارنامہ نہیں کیا ہے، مگر میں تمہیں، مجھے کھائے بغیر، اپنے ساتھیوں کی طرف نہیں بڑھنے دوں گا۔"

انھوں نے دیکھا وہ ٹیلہ پھولنے لگا تھا۔ پھر سرخ ہو چلا۔

"ابے مجھے ڈراتا ہے، کیا میں تجھ سے ڈر جاؤں گا؟ ہم فوجی موت سے نہیں ڈرتے، چاہے وہ کتنی ہی بھیانک اور بری کیوں نہ ہو۔ آ... کھول منہ اپنا، لے کھا مجھے، سالے عفریت۔"

یہ کہہ کر اس نے پوری قوت سے اپنی برانڈی کی بوتل گھما کر اس پر کھینچ ماری۔ بوتل بڑی قوت سے اس کے ابھرتے ہوئے کوہان نما حصے سے ٹکرائی۔ اور... اور تعجب و تذبذب کی ہزاروں چیخوں سے میدان گونج اٹھا۔ سارجنٹ گوورڈھن آنکھیں میچ کر اپنے نوالہ بننے کا انتظار کرنے لگا، مگر یہ کیا؟

برانڈی کی بوتل تو چور چور ہوئی ہی تھی، لیکن دنیا کا یہ سب سے حیرتناک وقعہ اسی وقت ظہور میں آیا۔ ایک سارجنٹ کے پرجوش، پرخلوص اور دلیرانہ اقدام کا ایک حیرتناک

ردِعمل۔

اس عفریت کے سرخ ہوتے ہوئے جسم پر برانڈی کے گرتے ہی اچانک اس میں اس طرح آگ لگ گئی جیسے کسی نے پٹرول کو دیا سلائی دکھادی ہو۔اس کے سارے جسم سے دھواں نکلنے لگا اور پھر یہ آگ، یہ دھواں اس کی ساری جسامت پر پھیل گیا۔وہ اب بڑی تیز تیز سانسیں لے رہا تھا۔دھواں اس کے جسم سے نکلتا گیا، پھیلتا گیا اور وہ تیزی سے کلبلانے لگا۔

''ارے، تو ایک اور لے۔'' سارجنٹ نے اندر کی جیب سے ایک اور بڑی بوتل نکال کر اس پر کھینچ ماری۔

ایک عجیب منظر تھا، جسے حیرت سے پھٹی ہزاروں آنکھیں دیکھ رہی تھیں اور جسم بت بنے ہوئے تھے۔

اچانک ایک بہت بڑا دھماکا ہوا اور زمین لرز گئی۔کھڑے ہوئے لوگ لڑھک گئے، لیکن حیرت زدہ آنکھوں نے جب اس عفریت کے پرخچے اڑتے دیکھے تو فرطِ مسرت سے ان کی چیخیں نکل گئیں۔دھواں ہی دھواں میدان پر چھانے لگا اور اس دھوئیں میں جلے ہوئے ربڑ یا چمڑے جیسی عجیب سی بدبو آرہی تھی جس سے ناکیں پھٹی جارہی تھیں۔

سارجنٹ پلٹتے پلٹتے اس دھوئیں سے بیہوش ہوکر گرنے ہی والا تھا کہ بالے نے دوڑ کر اسے سنبھال لیا۔

''ڈیئر گوبر، یہ تو ہوش میں آنے کا وقت ہے۔دیکھو تم نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔''

''لفٹین مجھے معاف کردو، میں نے... میں نے یہ برانڈی کی دو بوتلیں جنرل کے کمرے سے چرائی تھیں۔رام قسم کل سے سونگھنے کو بھی نہیں ملی تھی۔'' یہ کہہ کر وہ بیہوش ہوگیا، مگر بالے مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

اورایمرجنسی آرڈرز کی تحت ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر پوری یونٹ طیاروں اور اسٹیمروں کے ذریعے اس جزیرے سے روانہ ہوگئی، کیونکہ اس عفریت کی جگہ اب بہت سی انسانی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں، جوشاید اس کے جسم میں ابھی تک تحلیل نہیں ہوسکی تھیں۔اوراس کی راکھ یا غبار یا اسے جو کچھ بھی سمجھا جائے، بلند ہوکر دور دور تک برس رہا تھا۔

یہ مشورہ ڈاکٹر بوس نے ہی دیا تھا کہ اس جزیرے پر خصوصاً اس علاقے میں کسی کو یہاں نہ چھوڑا جائے، ورنہ وہ ایٹمی ریڈیشن کا شکار ہوجائے گا۔اوران کی روانگی کے بعد ان کے ذہن سوچ رہے تھے کیا یہ ان بموں کا دوسرا دھماکہ تھا۔

بہرحال جو کچھ بھی ہو، لیکن یہ معمہ کوئی حل نہ کرسکا کہ برانڈی کی دوبوتلوں نے اس ناقابلِ تسخیر عفریت کے چیتھڑے کیسے اڑادیے۔تمام سائنسدانوں کے دماغ اسی ایک سوال میں الجھے ہوئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

وہ نرس اس وقت اس طیارے میں ہاسٹس کا فرض انجام دے رہی تھی، جس میں بالے، خان اور جنرل وغیرہ سفر کررہے تھے۔اوراس لڑکی کو مع ان دو فرضی ملٹری پولیس مینوں کے گرفتار کیا جاچکا تھا۔وہ اس ملک کے جاسوس تھے، جس نے ہندوستان کے پہلے ایٹمی تجربے کو ناکام بنانے کی سازش کی تھی۔حالانکہ یہاں ایک ہی مہم میں دو دو تجربے ہوگئے تھے۔جنرل وفورِ جوش میں اپنے اختیارات سے سارجنٹ گوبر کو ایک ہی جست میں سارجنٹ سے میجر بنا چکا تھا۔اور میجر بنتے ہی گوبر نے سب سے پہلا کام یہی کیا تھا کہ لفٹعٹ بالے سے سلامی لی تھی۔ مگر بالے نے سلام کی بجائے اپنا بیج ہی اتار کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔اوراس وقت وہ حیرت سے بولا۔

"ارے تو تم بھی سارجنٹ تھے۔یعنی زبردستی مجھ پر اتنے دن تک دھونس جماتے

رہے۔

☆☆☆☆☆☆

مگر بالے کو سب سے زیادہ حیرت اس وقت ہوئی جب واپس پہنچنے پر خان نے اسے اس نرس کے رخصت ہو جانے کے بعد بتایا کہ وہ سیکرٹ سروس کی ایک کیپٹن تھی۔ اس کا نام نتاشا تھا۔

''لعنت ہو اس لفٹنٹی پر۔ ڈسپلن ہی ڈسپلن میں اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے گیا۔''

''بیٹے، یہ ایک قومی فوج ہے، جہاں جنرل اپنے سپاہیوں کیلیے جان دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے، پولیس کا محکمہ نہیں ہے کہ حرام کھاؤ اور موج اڑاؤ۔''

''آپ کا اشارہ محکمے کی طرف ہے نا؟''

''نہیں، آپ جیسے حرام خوروں کی طرف۔''

''اسی بات پر مجھے ایک لڑکی بری طرح یاد آ رہی ہے۔''

''کون؟''

''اسے میں شوکت سے انٹروڈیوس کرا کے یہیں چھوڑ گیا تھا۔''

''یعنی شاشا؟'' خان کے الفاظ نے اسے چونکا دیا۔

''ارے، آپ کو کیسے معلوم ہوا؟''

''تم اس کا ذکر مجھ سے کر چکے تھے، مگر گھبراؤ نہیں، تمہارا شبہ غلط نہیں تھا۔ وہ لڑکی جسے تم نے اسپتال سے گرفتار کیا تھا، ایریا ہیڈ کوارٹرز کی حوالات میں بند ملے گی۔ اور اس وقت تک اس کی سوجن اور میک اپ سب اتر چکا ہوگا۔'' خان نے بتایا۔

''تو کیا وہی...؟'' بالے اچھل پڑا۔

''ہاں، وہ سوجن بھی نقلی تھی۔ اس طرح وہ فوج کے درمیان رہ کر اپنے ساتھیوں کو

Akram Allahabadi

خبریں پہنچایا کرتی تھی۔تم نے جب اس کا ذکر پہلی بار مجھ سے کیا تھا، میں نے تب ہی اس کا پاسپورٹ چیک کرایا تھا،مگر کیونکہ وقت بہت کم تھا،اس لیے اسے موقع مل گیا کہ وہ یونٹ میں آگھسی۔''

''مگر کس طرح؟''

''شوکت جیسے کچھ گاؤدی فوج میں بھی مل سکتے ہیں۔''

''ہائے بیٹا سکھٹ،تمہاری حماقتیں شہرۂ آفاق ہیں۔''

بالے نے غائبانہ شوکت کی تعریف کی،مگر ان کی کار جیسے ہی ایریا ہیڈ کوارٹرز کے پھاٹک کے باہر نکلی، وہ 'سلام علیکم' کی پہچانی ہوئی آواز سن کر چونک پڑے۔شوکت وہاں ان کے استقبال کیلیے پھولوں کے ہار لیے موجود تھا۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi